بسم الله الرحمن الرحيم

قرآن اور ہدایت

تألیف

آیت اللہ جوادی آملی

نام کتاب : ــــــــــ قرآن اور ہدایت

تألیف : ــــــــــ آیت اللہ جوادی آملی

ترجمہ : ــــــــــ جناب سید احتشام عباس زیدی

ناشر : ــــــــــ سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی

ادارہ ترجمہ و اشاعت

سال طبع : ــــــــــ ربیع الثانی سنہ ۱۴۱۷ھ

ISBN 964-6177-09-3

فہرست

◇ عرض ناشر ۹
◇ پیش لفظ ۱۰
◇ پہلا باب : تلاوت کی کیفیت اور اس کی ذمہ داری ۱۷
○ تلاوت قرآن کے شرائط ۱۸
تلاوت قرآن ۱۹
بینہ کون ہے ؟ ۲۰
برحق تلاوت ۲۱
تلاوت کا حق کیا ہے ۲۱
سننے والے کی طہارت ۲۲
ذہن کیونکر پاک ہو ۲۳
تلاوت کی راہیں ۲۴
کون سے کان کلام الٰہی کو قبول کرتے ہیں ؟ ۲۵

نتیجہ ________ ۲۶
تلاوت کی کیفیت ________ ۲۶
تلاوت کی ذمہ داری ________ ۲۸
قرآن پڑھنے والے ________ ۳۰
شفاء و دواء ________ ۳۱
قلب کے امراض ________ ۳۲
زمین کی برکتیں ________ ۳۲
○ تلاوت قرآن کے آداب ________ ۳۵
قرآن سیکھنا ________ ۳۵
قیامت اور فراموشی ________ ۳۶
حلول و ارتحال ________ ۳۹
تلاوت قرآن ________ ۴۰
قرآن دیکھ اس کی تلاوت کرنا ________ ۴۲
قرآن ہمراہ رکھنا ________ ۴۳
گھر میں قرآن پڑھنا ________ ۴۳
خوش الحانی کے ساتھ تلاوت ________ ۴۵

تلاوت کا ادب ــــــــــــــ ۴۶

قرآن ختم کرنے کی مدت ــــــــــــ ۴۶

قرآنی سوروں کے فضائل ــــــــــــ ۴۸

ظرف قرآن ــــــــــــ ۵۰

◇ دوسرا باب : **قرآن سے تمسک اور اس کے احکام** ــــ ۵۳

○ **قرآن سے تمسک اور اس پر عمل** ــــــــ ۵۴

قرآن سے تمسک اختیار کرنا ــــــــــ ۵۴

قرآن شفیع بھی ہے اور شاکی بھی ــــــــ ۵۵

قرآن بہترین راہنما ــــــــــ ۵۶

باطن قرآن کو سمجھنے کے لئے وراثتی علم ضروری ہے ــــ ۵۶

قرآن الٰہی جلوہ گاہ ــــــــــ ۵۷

قرآن کی ہدایت و نورانیت ــــــــــ ۵۸

جنت کے درجے آیات قرآن کے برابر ــــــ ۵۹

قرآن کی جامع تعریف ــــــــــ ۶۰

◇ تیسرا باب : **نزول قرآن** ــــــــ ۶۳

○ **قرآن کی شأن نزول** ــــــــ ۶۴

قرآن کب نازل ہوا ؟ ———— ۶۴
تدریجی نزول یا دفعی نزول ———— ۶۵
شان نزول کی کوئی مشخص حیثیت نہیں ———— ۶۸
مثال ———— ۶۹
پہلا واقعہ ———— ۶۹
دوسرا واقعہ ———— ۷۰
منفرد و منحصر مصداقات ———— ۷۱
○ **قرآن اور جلائے قلب** ———— ۷۳
در سے کہتا ہوں تاکہ دیوار سنے ———— ۷۳
خصوصی خطاب ———— ۷۵
قرآن کا عربی ہونا ———— ۷۷
قرآن کے مراحل ———— ۷۷
قرآنی علوم ———— ۷۹
انبیاء کرام اور دلوں کی صفائی ———— ۸۱
آسمانی کتابوں اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا فرق ———— ۸۲

بسمہ تعالیٰ

عرضِ ناشر

کتاب انسانی فکر کی ترسیل اور انسانی تہذیب و ثقافت کے ارتقائی خطوط کو مجسّم کرنے میں امتیازی کردار ادا کرتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی فکر انسانی افکار کی ان بلند بام چوٹیوں میں سے ہے جو انسانوں کو اسلامی خصوصیات اور اس کے منابع و مآخذ سے آگاہ کرتی ہے اور ان کے سامنے زندگی کے حقائق کا وسیع تر نظریہ پیش کرتی ہے۔

اس حقیقت کو درک کرنے کے بعد خدائے علیّ و قدیر پر بھروسہ کرتے ہوئے ہم نے بھی اپنی استطاعت و بضاعت کے بقدر اس عظیم کام کا بیڑا اٹھایا ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ عظیم اسلام کی خدمت کی توفیق کرامت فرمائے۔ انّہ السمیع المجیب

سازمان فرہنگ و ارتباطات اسلامی
ادارۂ ترجمہ و اشاعت

پیش لفظ

قرآن کریم صرف مسلمانوں کی دینی کتاب نہیں بلکہ پوری انسانیت پر اللہ کا لطف اور فضل عظیم ہے۔ یہ کتابِ زندگی ہے، کتابِ نور ہے، کتابِ فہم و دانائی ہے، کتابِ آیات ہے۔ یہ کتاب انسانی تجلیوں کا آئینہ ہے، مظلوموں اور دردمندوں کی تسکین کا سامان اور ظالموں کیلئے قہر و غضبِ کردگار کا مرقع ہے۔

خداوند عالم نے انسانوں پر قرآن کریم نازل کرکے یہ احسان فرمایا ہے کہ بندے اس کے ذریعہ اپنے خالق سے رابطہ برقرار رکھ سکتے ہیں۔ یہ اس کتابِ عظیم کی تلاوت نہیں بلکہ اللہ خود ہم سے ہمکلام ہوتا ہے ہمیں چاہئے کہ کلماتِ الٰہی اور آیاتِ قرآن کو پڑھنے، سننے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کیلئے اپنے دہن، زبان، کان اور اعضاء و جوارح کو ہر طرح کی آلودگیوں سے پاک رکھیں۔

تلاوت قرآن کے سلسلہ میں انسانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ "تم سے جہاں تک ممکن ہو اور جہاں تک میسر ہو قرآن کی تلاوت کرو۔" فاقرؤا ماتيسر من القرآن (مزمل/۲۰) ہم سے قرآن کریم کی تلاوت کی اس قدر تاکید کیوں کی گئی ہے ؟ اس لئے کہ یہ کتاب مطہر و پاکیزہ ہے۔ اس میں جھوٹ، تضاد اور بیہودہ باتیں نہیں ہیں یہ چیزیں رجس ہیں اور حریم قرآن سے دور ہیں۔ قرآن کریم خود مطہر ہے اور تلاوت کرنے والے سننے والے اور اللہ کی آیات پر عمل کرنے والے کو پاکیزہ بناتا جاتا ہے، لہذا جو قرآن کریم کی جتنی تلاوت اس کے آداب کے ساتھ کرے گا وہ اتنا ہی پاکیزہ اور بہترین انسان بنے گا۔ اس کی پاکیزگی میں بھی اضافہ ہوگا اور اس کے ایمان میں بھی جلا پیدا ہوگی چنانچہ قرآن خود ارشاد فرماتا ہے: "اذا تليت عليهم آياته زادتهم ايمانا"

(انفال / ۲)

جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں تلاوت اس کے آداب کے ساتھ کی جانی چاہئے تو یہ بھی حقیقت ہے کہ اگر تلاوت کے سلسلہ میں آداب کو پیش نظر نہ رکھا گیا تو نہ قرآن کریم کوئی فائدہ پہنچائے گا نہ انسان کے نفس کو پاکیزہ بنائے گا بلکہ ایسے پڑھنے والے پر قرآن کریم خود لعنت کرے گا جیسا کہ حدیث میں ہے "رب تال

للقرآن و القران یلعنہ" قرآن کریم کی تلاوت سب کے لئے مفید نہیں ہو سکتی۔ صرف اسی انسان کو صحیح تلاوت کی توفیق حاصل ہوتی ہے جو خود بھی طاہر و پاکیزہ ہو۔ حدیث میں ارشاد ہوتا ہے کہ "طھروا افواھکم فانھا طرق القرآن" اپنے دہنوں کو پاک رکھو کیونکہ یہ قرآن کی راہیں ہیں یعنی ایسا نہیں ہے کہ جو کچھ انسان کے منھ میں آئے بکتا بھی رہے اور اسے صحیح معنی میں قرآن کی تلاوت کی توفیق بھی حاصل ہو۔

اب دہن کس طرح پاک ہو سکتا ہے تو اس کی صورت یہ ہے کہ بری اور بیہودہ باتیں (مثلاً جھوٹ، غیبت اور تہمت وغیرہ) منھ سے نہ نکالے اور حرام غذائیں نہ کھائے ورنہ جس طرح گندے نالے میں بہنے والا صاف وشفاف پانی بھی گندا ہو جاتا ہے۔ اسی طرح قرآن کریم بھی اگر ناپاک دہن سے جاری ہو تو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ منھ کے ساتھ ساتھ کان اور آنکھیں وغیرہ بھی قرآن کی راہیں ہیں، جن کانوں نے غیبت سنی ہو یا اجنبی عورتوں کی آواز میں شہوت انگیز نغمے سنے ہوں، یا جن کانوں نے دوسروں کی ناروا تہمتیں اور اور جھوٹے الزامات سنے ہوں اور ان کی مخالفت نہ کی ہو، آیات الٰہی کو نہیں سن سکتے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ کان میں قرآن کی آواز تو جا سکتی ہے لیکن اثرانداز بالکل نہیں ہو سکتی۔

اسی طرح آنکھیں ہیں، پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ کا ارشاد گرامی ہے:

"اعطوا العین حقھا" آنکھوں کو اس کا حق دو۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آنکھوں کا حق کیا ہے؟ فرمایا: "النظر الی المصحف" قرآن کریم کو دیکھنا کہ قرآن کو دیکھ کر تلاوت کرنا بھی حدیث کے مطابق عبادت ہے، لیکن اگر نگاہیں پاک نہ ہوں تو انسان قرآن پر نگاہ کرنے کی توفیق سے بھی محروم ہو جاتا ہے۔

بہرحال اللہ انسانوں کو پاکیزہ اور صالح دیکھنا چاہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے بندوں پر قرآن نازل فرمایا ہے اور اسے آسان بنا دیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: "لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر"

(قمر / ۲۲)

"ہم نے قرآن کو پند و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنا دیا ہے کیا کوئی نصیحت قبول کرنے والا ہے؟ ہاں صاف دل اور پاکیزہ انسانوں کے لئے قرآن آسان ہے لیکن اپنے مفاہیم و مطالب کے اعتبار سے سنگین اور گراں قدر ہے۔ امید ہے کہ مسلمان اور تمام انسان قرآن کریم سے استفادہ کرتے ہوئے اپنے لئے بہترین دنیا اور بہترین آخرت فراہم کریں۔

عصر حاضر میں حوزۂ علمیہ قم کی بنیادی علمی شخصیتوں میں حضرت آیت اللہ عبد اللہ جوادی آملی کی ذات بڑی نمایاں حیثیت کی حامل ہے، آپ اس عہد کے بے مثل حکیم و فلسفی، باکمال متکلم، بے بدیل عارف، عظیم مفسر و استاد قرآن اور مختلف حوزوی علوم میں ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ

علی الاطلاق مجتہد بھی ہیں ۔ اس وقت نہ صرف حوزۂ علمیہ کے تشنگان علم کی کثیر تعداد آپ کی صہبائے فیض و معرفت سے سیراب ہوتی ہے بلکہ اسلامی جمہوریہ ایران کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر آپ کے ہفتہ وار دروس ایران اور ایران سے باہر کے بہت سے جویائے علم و عرفان کو فیضیاب کر رہے ہیں ۔ موجودہ کتاب عرصہ سے جاری آپ کے درس قرآن کے ایک طویل سلسلے کے کچھ دروس ہیں ۔ قرآن کی تلاوت و آداب کے موضوع پر دیے گئے یہ چند دروس افادیت کے پیش نظر مفید عام ہیں ۔ امید ہے ناظرین اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے ۔

استاذ محترم نے اپنے درس میں برابر اس پر افسوس ظاہر کیا کہ قرآن جان بوجھ کر یا غفلت کے باعث خود علماء اسلام کے ہاتھوں دور کر دیا گیا۔ جو بھی عالم جس فن میں ماہر ہوا اس کی یہی کوشش رہی کہ اس فن میں قرآن کو داخل نہ ہونے دے۔ اگر عارف رہا تو اس کی یہ کوشش رہی کہ قرآن سے ربط نہ پیدا کرے ۔ اگر فلسفی تھا تو سارا زور اس پر صرف کیا کہ قرآن سے قریب نہ ہو ۔ اگر محدّث تھا تو اس نے صاف اعلان کر دیا کہ قرآن کے ظاہر حجّت نہیں ہیں اور کوشش کرتا رہا کہ قرآن اس کے علم میں نفوذ پیدا نہ کرنے پائے اسی طرح ہر علم و فن کا ماہر قرآن سے خود کو دور رکھتا تھا اور اگر کچھ استفادہ کیا بھی تو صرف ادبی مدد کی حد تک جیسے سبع معلقات

کے اشعار کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔ اس طرح علماء نے خود قرآن کو علمی و دینی درسگاہوں سے دور کر دیا۔ نتیجہ میں ہماری علمی و دینی درسگاہوں میں قرآن کو جو حیثیت ملنا چاہئے تھی نہیں ملی یہی سبب ہے کہ آج بھی اتنی عظیم اور حیات افروز علمی اور عملی کتاب رکھنے کے باوجود مسلمان اپنے اس گرانقدر سرمایہ سے غافل اور ترقی کی دوڑ میں کفار سے بھی پیچھے ہیں۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں قرآن سے تمسک کرنے، اسے پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق کرامت فرمائے۔ آمین!

پہلا باب

تلاوت کی کیفیت

اور

اس کی ذمہ داریاں

تلاوت قرآن کے شرائط

قرآن کریم نے پیغمبر اکرمؐ کا تعارف یوں کرایا ہے :-

"یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ" (جمعہ/ ۲)

"وہ ان لوگوں پر قرآنی آیتوں کی تلاوت فرماتے ہیں، ان کے نفسوں کو پاکیزہ بناتے ہیں اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔"

یہ تین مرحلے (تلاوت، تزکیہ اور تعلیم) شان رسالت کا جزو ہیں اور فریضۂ رسالت کی ادائیگی کے حکم سے پہلے یہ تینوں امر خود حضرتؐ کے سلسلہ میں بروئے عمل لائے گئے۔ ان پر قرآنی آیات کی تلاوت کی گئی۔ خداوند عالم نے آپؐ کو کتاب وحکمت کا عالم بنایا اور آپ کو مطہر و تزکیہ شدہ قرار دیا۔ اس کے بعد قرآن نے فرمایا یہی امور جو خداوند عالم نے آپ پر جاری فرمائے ہیں، اب آپؐ لوگوں سے متعلق عمل میں لائیں۔ فرق یہ ہے کہ عوام نہ آپ کی مانند فیضیابی کی قدرت وطاقت رکھتے ہیں اور نہ براہ راست فرشتوں یا ان سے بالاتر سے رابطہ پیدا کر سکتے ہیں۔

بنا براین خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ سے متعلق تلاوت قرآن، تزکیہ اور تعلیم کو اپنے

ذمہ لیا اس کے بعد انؑ کا ان صفات کے ساتھ تعارف کرایا اور انھیں حکم دیا کہ لوگوں کے لئے آیاتِ الٰہی کی تلاوت کرو جیسے میں نے تم پر آیات کی تلاوت کی ہے ۔ لوگوں کو یوں ہی علم و حکمت کی تعلیم دو، جیسے میں نے تم کو تعلیم دی ہے ۔ لوگوں کو اسی طرح پاکیزہ بناؤ اور ان کے نفوس کو پاک کرو جیسے میں نے تمہیں مطہر اور تزکیہ شدہ بنایا ہے ۔ البتہ فرق یہ ہے کہ رسول خداؐ ان تینوں امور و مراحل میں ان مقامات پر فائز تھے جو صرف آنحضرتؐ سے مخصوص تھے اور دوسرے نہ ان درجات تک پہنچے ہیں نہ پہنچیں گے ۔

تلاوتِ قرآن

"تلاوت کے سلسلہ میں قرآن نے انسانوں کو حکم دیا کہ جہاں تک تم سے ممکن اور تمہیں میسر ہو قرآن کی تلاوت کرو :-

فاقرءوا ما تیسر من القرآن (مزمل / ۲۰)

اس وحی الٰہی کی تلاوت پیغمبر اکرمؐ پر کس طرح ہوئی ؟

قرآن میں ارشاد ہوتا ہے : ہم نے برحق تم پر قرآن کی تلاوت کی" **تلک آیات اللّٰہ نتلوها علیك بالحق**" (آل عمران / آیت ۱۰۸) کہ یہاں تلاوت حق کے ہمراہ ہے یعنی صرف حق و حقیقت ہی ہے اور کوئی باطل اس کے حریم میں راہ نہیں پا سکتا ۔

"تلاوت کس طرح حق ہوتی ہے ؟

"تلاوت اس صورت میں حق ہے :-

۱- تلاوت شدہ امر حق ہو ۔

۲- تلاوت کرنے والا صحیح تلاوت کرے ۔

۳- تلاوت سننے والا درست سمجھے اور درست قرار دے ۔

اگر ان تینوں ارکان میں سے کوئی ایک برحق نہ ہو تو یہ تلاوت حق نہیں ہے ۔ یعنی اگر مطلب حق نہ ہو یا کہنے اور پڑھنے والا حق نہ کہے یا سننے والا اس حق کے سننے میں غلطی کرے تو تلاوت حق نہ ہوگی ۔

خداوند عالم کی تلاوت کے سلسلہ میں تو ظاہر ہے کہ حق کے سوا کسی اور شئے کا وجود ہی نہیں ہے : واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل (احزاب/۴) (اللہ حق کہتا ہے اور وہی ہے جو راہ کی ہدایت و راہنمائی کرتا ہے)

اس کا دوسرا رکن بھی حق ہے کیونکہ جو لے کے کر آتا ہے، امین ہے اور اس کی امانت میں کبھی خیانت کی رسائی نہیں ہوسکتی : "مطاع ثم امین" (تکویر/۲۱)۔ ملائکہ کا سردار اور فرمانروا (جبرئیل) امین وحی ہے۔ اور بارگاہ خداوندی کے تمام مقرب فرشتے بہترین اور باعظمت سفیر ہیں : "...... سفرۃ کرام بررۃ" (عبس/۱۵) یہ سفراء اور آیات کے پہنچانے والے امین اور صالح و نیکوکار ہیں۔ حق سنتے ہیں اور حق لے کر آتے ہیں۔

تیسرا رکن بھی یہ ہے کہ پیغمبر اکرمؐ معصوم اور مطہر ہیں کہ حق کے سوا اور کچھ نہیں سنتے اور یہ عظیم پیغمبرؐ تم لوگوں پر ایسی کتاب کی تلاوت کرتا ہے جس میں کبھی کسی غلطی، اشتباہ یا تناقض اور ٹکراؤ کی گنجائش ہی نہیں ہے بلکہ یہ کتاب مطہر ہے۔ سورۂ مبارکۂ بیّنہ میں ارشاد ہوتا ہے : لم یکن الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین منفکین حتی تاتیھم البینۃ (بینہ/۱) کافر اہل کتاب اور مشرکین دست بردار نہیں تھے یہاں تک کہ ان کی طرف بیّنہ اور روشن دلیل آئی۔

بیّنہ کون ہے؟

بیّنہ وہی پیغمبر ہے جو خداوند عالم کی جانب سے مبعوث ہوا ہے کہ لوگوں پر پاک اور مطہر کتابوں کی تلاوت کرے۔ سورۂ بیّنہ کی دوسری آیت میں ارشاد ہے : "رسول من اللہ یتلو صحفاً مطھرۃ" (بینہ/۲) "خدا کی جانب سے ایک پیغمبر ہے جو لوگوں پر آسمانی کتاب (قرآن) سے مطہر و پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت کرتا ہے۔" یہ مطہر و پاکیزہ کتاب ہے، کیونکہ اس میں جھوٹ، تضاد، بے دلیل اور بیہودہ باتیں نہیں پائی جاتیں۔ یہ ساری باتیں رجس و کثافت اور شرک و وسواس ہے جو حریم قرآن سے دور ہیں۔ لہٰذا قرآن مطہر و پاکیزہ ہے۔ اور ان پاکیزہ صحیفوں میں مطالب و احکام بیان کئے گئے ہیں

جو لوگوں کے لئے "قیم" اور ان پر حاکم ہیں: "فیھا کتب قیمۃ" (بینہ/۳) (اس میں سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والی بالادست کتابیں ہیں)

لوگوں کو حکم الٰہی کی سرپرستی میں رہنا چاہئے۔ پس یہ صحیفے، سورے اور آیتیں لوگوں کی قیم و سرپرست ہیں اور رسول خدا لوگوں کی قیم کو ان تک پہنچا رہے ہیں۔ یہ کتب قیمہ نہ صرف پیغمبر اکرمؐ کی مطہر و پاکیزہ زبان سے لوگوں کے کانوں میں پہنچنے تک مطہر ہیں بلکہ غیب سے پیغمبر اکرمؐ کے گوش گزار ہونے کی منزل میں بھی مطہر و مکرم ہیں۔ سورۂ "عبس" میں ارشاد ہوتا ہے: فی صحف مکرّمۃ مرفوعۃ مطھّرۃ (عبس/۱۳) یہ آیتیں اس قدر بلند ہیں کہ کسی کے ہاتھ ان تک نہیں پہنچتے نہ انھیں کما حقہٗ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ان کے جیسی آیتیں بنانا ممکن ہے۔ یہ کتاب مرفوع ہے یعنی بلند ہے اور کسی کی دسترس میں نہیں ہے کہ انسان اس کا مثل و مانند لاسکے اور اس میں تحریف کرے۔ ساتھ ہی یہ تمام آلودگیوں سے بھی پاک و منزہ اور مطہر ہے نیز اس وحی کے لانے والے بھی امین، کریم اور صالح ہیں: بأیدی سفرۃ کرام بررۃ (سورۂ عبس، آیت ۱۵) "کریم و صالح سفیروں یعنی ملائکہ کے ہاتھوں۔"

برحق تلاوت

بنابریں ہم سے مطالبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کی "بالحق" تلاوت کریں۔ قرآن میں جب گزشتہ ادیان کے مومنین کی مدح و ستائش کی جاتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے: "الذین آتیناھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ" (بقرہ/۱۲۱) جن کو ہم نے کتاب عطا کی تو وہ اس کے حق کے ساتھ اس کی تلاوت کرتے ہیں"

تلاوت کا حق کیا ہے؟

تلاوت کا حق سورۂ انفال میں بیان کیا گیا ہے، جہاں مسلمانوں کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے: اذا تلیت علیھم آیاتہ، زادتھم ایمانًا (انفال/۲)

یعنی جب ان پر خدا کی آیتوں کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ یہ تلاوت برحق ہے جو مومنین کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے۔ ایسی تلاوت نہیں جو باحق ہی نہ ہو کہ روایت میں ہے: "رب تال للقرآن والقرآن یلعنه" "ایسے بھی ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں اور قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔"

بنابرایں اگر خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ کے لئے یہ تین صفات اور تین عہد سے بیان فرمائے ہیں تو خود اس نے آنحضرتؐ کے لئے بھی یہ تین مرحلے رکھے ہیں۔ سب سے پہلے ان پر برحق تلاوت فرمائی۔ اس کے بعد انھیں اس پر مامور کیا کہ آپ بھی لوگوں کے لئے ان مطہر و پاکیزہ صحیفوں کی تلاوت فرمائیں۔ حضرتؐ کو علم و حکمت عطا فرمائی: "وعلمك مالم تكن تعلم" (نساء/۱۱۳) "اور آپ کو وہ علم عطا کیا جو آپ نہیں جانتے تھے" اس کے بعد ان سے مطالبہ کیا کہ آپ لوگوں کو بھی علم و حکمت سے آشنا بنائیں: "ويعلمهم الكتاب والحكمة" (جمعہ/۲) خداوند عالم نے آنحضرتؐ کو آیۂ تطہیر کی بنیاد پر طاہر و مطہر بنایا اس کے بعد فرمایا کہ تم بھی لوگوں کا تزکیہ کرو اور انھیں پاکیزہ بناؤ۔ سورۂ نور میں پروردگار عالم کا ارشاد گرامی کہ اگر فضل خدا نہ ہوتا تو کوئی شخص زکی و پاکیزہ نہ ہوتا، اسی نکتہ کی طرف اشارہ ہے۔ "لولا فضل الله عليكم ورحمته ما زكىٰ منكم من احد ابداً" (نور/۲۱) یعنی اگر خدا کا فضل اور اس کی رحمت شامل حال نہ ہوتی تو کوئی بھی روحی بالیدگی اور تزکیۂ نفس کے مرحلہ تک نہ پہنچ پاتا۔

صرف تزکیۂ نفس ہی خداوند عالم کی جانب سے نہیں ہے بلکہ تمام کمالات اس کی جانب سے ہیں اور کوئی انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ یہ کمال خود اس نے حاصل کیا ہے، بلکہ جو کچھ ہے اس کے فضل اور اس کی عنایت سے ہے۔ فرق یہ ہے کہ بعض افراد رفتہ رفتہ اس فیضان الٰہی سے بہرہ ور ہوتے ہیں اور بعض ایک ہی مرتبہ میں۔ بعض اس لطف الٰہی سے کم فیضیاب ہوتے ہیں اور بعض زیادہ۔

سننے والے کی طہارت

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ سفراء الٰہی اور خدا کے برگزیدہ فرشتے ان مطہر و پاکیزہ صحیفوں

کو پیغمبر مطہرؐ پر تلاوت کرتے ہیں۔ لہٰذا تلاوت کی منزل میں بھی اسی انسان کو صحیح تلاوت کی توفیق حاصل ہوتی ہے جو طاہر و پاکیزہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ: "طہروا افواھکم فانّھا طرق القرآن" اپنے دہنوں کو پاک رکھو کیونکہ یہ قرآن کی راہیں ہیں، یعنی ایسا نہیں ہے کہ انسان دن میں جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہدے اور رات میں حق تلاوت کے ساتھ قرآن پڑھنے کی توفیق بھی پیدا کرلے۔ قرآن ایک مطہر و پاکیزہ صحیفہ ہے، اسے پاکیزہ راہ سے گزرنا چاہئے۔ پس انسان کا دہن اسی وقت قرآن کی گزرگاہ بن سکتا ہے جب پاک ہو۔

دہن کیونکر پاک ہو؟

۱۔ بُری اور بیہودہ باتیں دہن سے باہر نہ آئیں۔

۲۔ حرام غذا منھ میں داخل نہ ہو۔

جی ہاں! تلاوت قرآن کا گزر پاک دہن سے ہونا چاہئے ورنہ گندے نالے میں بہنے والا صاف و شفاف پانی آخر کار گندا ہو جائے گا۔ اگر قرآن ناپاک دہن سے جاری ہو تو "ویل للمصلّین" (ماعون/۴) "وائے ہو ان نمازیوں کے لئے" کا مصداق اس پر صادق آئے گا۔

یہ جو قرآن میں ارشاد ہے: "لا تقربوا الصّلوٰۃ وانتم سکاریٰ (نساء/۴۳)" "مستی کی حالت میں نماز کے قریب مت ہو یا نماز نہ پڑھو۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ کہہ رہے ہو اسے سمجھو۔ البتہ اگر انسان نہ سمجھے کہ کیا کہہ رہا ہے، اس کی نماز صحیح تو ہے لیکن یا سرے سے مقبول نہیں ہے یا پوری طرح قبول نہیں ہے۔ کیونکہ ہم سے صرف تلاوت یا صرف قرائت کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے: "حتیٰ تعلموا ما تقولون" (نساء/۴۳) بلکہ یہ بھی چاہا گیا ہے کہ تم سمجھو بھی کہ کیا کہہ رہے ہو۔ پس اگر انسان یہ نہ جانے کہ کیا کہہ رہا ہے، وہ صرف نیت کرکے اور تکبیرۃ الاحرام کہہ کر نماز شروع کرتا ہے اور سلام پر نماز تمام کرتا ہے۔ یہ نماز فریضہ کو تو ادا کر دیتی ہے لیکن اہل تقویٰ کا قرب اسے حاصل نہیں ہوتا۔

کیونکہ وہ جوانی کی مستی، جاہ و منصب کا نشہ یا دنیا کا غرور رکھتا ہے ۔ اور یہ کوئی ہنر نہیں ہے کہ انسان کی زیادہ سے زیادہ کوشش یہ ہے کہ اپنے آپ کو عذاب سے نجات دلا سکے ۔ اس لئے کہ خداوند عالم بہت سے لوگوں کو مثلاً بچوں، دیوانوں و مجنونوں، اور فکری اعتبار سے بودے افراد کو جو مسائل سمجھنے کے قابل نہیں ہیں، قیامت کے دن عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اور دوزخ میں نہیں ڈالے گا۔

اس طرح یہ بات ظاہر ہے کہ اس شخص کو جو یہ نہیں جانتا کہ کیا کہہ رہا ہے اور کس سے ہم کلام ہے، اہل تقویٰ والی تقرب کی منزل نصیب نہیں ہے۔

اپنی تطہیر اور تزکیہ کی راہ میں سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ انسان اپنا غرور اور اپنی انانیت چکنا چور کر دے ۔ یہ اقدام طہارت نفس کے لئے زمین ہموار کرتا ہے ۔ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم میں کبھی ارشاد ہوتا ہے: ہم نے بارش کے پانی کو اس لئے نازل کیا کہ وہ پاک کرے اور کبھی ارشاد ہوتا ہے: نماز کے وقت اگر پانی تمہیں میسر نہ ہو تو خاک پر تیمم کرو ۔ خدا تمہیں پاک کرنا چاہتا ہے ۔ یہ انسان جس نے اپنے چہرہ پر خاک ملی ہے اور اپنے غرور کو توڑ ڈالا ہے، خدا اسے پاک کرنا چاہتا ہے ۔ اب یہ ظاہری تطہیر نہیں ہے ۔

تلاوت کی راہیں

وہ روایت جس میں ارشاد ہوا ہے کہ: "اپنے دہنوں کو پاک رکھو کہ یہ قرآن کی راہیں ہیں" البتہ کان، آنکھیں، ہاتھ اور دیگر اعضا بھی قرآن کی راہیں ہیں ۔ وہ کان جنھوں نے غیبت سنی ہے اور اس کی مخالفت نہیں کی ہے، وہ کان جنھوں نے اجنبی عورتوں کی آوازوں میں شہوت انگیز نغمے سنے ہیں ۔ اور وہ کان جنھوں نے دوسروں کی ہزاروں ناروا تہمتیں اور جھوٹے الزامات سنے ہیں اور ان کی کوئی مخالفت نہیں کی ہے، آیات الٰہی کو بھلا کیوں کر سن سکتے ہیں ؟!

رسول اکرمؐ سے ایک روایت نقل ہے ۔ حضرتؐ فرماتے ہیں: "اعطوا العین حقّھا" آنکھوں کو اس کا حق ادا کرو۔ لوگوں نے دریافت کیا، آنکھوں کا حق کیا ہے؟

فرمایا: "النظر الی المصحف" قرآن کو دیکھنا کیونکہ قرآن کو دیکھ کر اس کی تلاوت کرنا حدیث کے مطابق عبادت ہے۔ اگر نگاہیں پاک نہ ہوں تو انسان قرآن پر نگاہ کرنے کی توفیق پیدا نہیں کر سکتا۔ وہ خیانت کار آنکھیں جنھوں نے ایک عمر شیطان کی ولایت و سرپرستی میں بسر کی ہے کلام پروردگار کو دیکھنے کی توفیق سے محروم رہتی ہیں۔ جو ہاتھ ناپاک ہے اسے قرآن کی طرف نہیں بڑھنا چاہیئے: "لا یمسّہ الّا المطہّرون" (واقعہ/۷۹) "قرآن کو صرف طاہر و پاکیزہ افراد ہی مس کرتے ہیں"۔

مذکورہ بالا باتوں سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ تلاوت قرآن مجید کے لئے طہارت حتیٰ سننے کی منزل میں بھی شرط ہے یعنی اگر کسی کان نے باطل باتیں سنی ہوں اور اس کی تطہیر نہ ہوئی ہو ایسی صورت میں اگر آیات الٰہی کی تلاوت بھی اس کے سامنے کی جائے گی تب بھی وہ انھیں نہیں سن سکتا: "وفی آذانہم وقرا" (انعام/۲۵) اور ہم نے ان کے کانوں میں بہرا پن کر دیا ہے کہ قرآن کو سمجھ نہ سکیں۔

کون سے کان کلام الٰہی کو قبول کرتے ہیں ؟

"وتعیہا اذن واعیۃ" (حاقہ/۱۲) اور اہل ہوش کے کان اس پند و نصیحت کو سنتے اور یاد کرتے ہیں۔ یعنی وہی کان انبیاء کرام کی نصیحتوں اور یاد دہانیوں کو سنتے اور آیات الٰہی کو قبول کرتے ہیں جو "وعاء" ہیں یعنی ان باتوں کو یاد رکھتے ہیں بعض کان معبر ہیں ہر طرح کی بات قبول کر لیتے ہیں، یہ کان "وعاء" اور "اذن واعیۃ" نہیں ہیں۔ اگر کان کو ایک غیر محسوس حجاب یا پردہ نہ چھپائے اور وہ واعیہ ہو تو وہ آیات الٰہی کو درک کر سکتا ہے۔

بعض پردے اور حجاب قابل محسوس نہیں ہیں بلکہ خود ہی پوشیدہ ہیں: واذا قرأت القرآن جعلنا بینک وبین الذین لا یؤمنون بالآخرۃ حجاباً مستوراً (اسراء یا بنی اسرائیل/۴۵) "اور جب تم نے قرآن کی تلاوت کی تو ہم نے تمہارے اور ان کے درمیان جو خدا و آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک پوشیدہ حجاب ڈال دیا۔ یہاں مستور، ساتر کے معنی میں نہیں ہے جیسا کہ ادبیات جاہلی کے پیرو

بعض اہل ادب کہتے ہیں، بلکہ یہ خود ایک پوشیدہ اور غیر محسوس حجاب ہے ۔
جب حضرت علیؑ یا آٹھویں امام سے (کیونکہ یہ روایت دونوں حضرات سے نقل ہوئی ہے) پوچھا گیا کہ ہم شب بیداری کی توفیق سے کیوں محروم ہیں؟ تو آپؑ نے فرمایا: دن کے گناہ اس کی اجازت نہیں دیتے کہ رات کو اٹھ کر عبادت کرو " یہاں خود گناہ حجاب ہے لیکن یہ حجاب دیوار وغیرہ کی طرح دکھائی نہیں دیتا ۔ چنانچہ اگر ایسا ہی حجاب کان میں بھی موجود ہو تو قرآن اس سے عبور نہیں کر سکتا اور وہ کان "واعیہ" یعنی سن کر محفوظ رکھنے والا نہیں ہے پس ہمیں اپنے کان، آنکھوں اور ذہن سے ان حجابوں کو دور کرنے کی کوشش کرنا چاہئے تاکہ قرآن کی راہیں پاک ہوں اور الٰہی آیات ہمارے اندر اثر کر سکیں ۔

نتیجہ

اس بحث کا نتیجہ نکلا کہ رسولؐ خدا کے لئے تین امر بطور احسن اور بدرجۂ اتم انجام پائے اور تین منصب انھیں عطا ہوئے ۔ ان پر برحق الٰہی آیات کی تلاوت کی گئی ۔ خداوند عالم نے انھیں علم عطا فرمایا اور پاکیزہ و مطہر قرار دیا ۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم بھی یوں ہی لوگوں پر الٰہی آیات کی تلاوت کرو ، انھیں علم و حکمت کی تعلیم دو اور ان کے قلوب کو پاکیزہ بناؤ اور ناپاکی سے محفوظ رکھو تاکہ ہر شخص اپنے اپنے اعتبار سے چاہے مقام تلاوت میں یا تعلیم اور تزکیۂ نفس کی منزل میں ۔ کہ یہ تینوں مراتب باہم مربوط ہیں ـــــ الٰہی فیض حاصل کر سکے ۔

تلاوت کی کیفیت

آداب تلاوت سے متعلق ہمیں ملنے والے دستورات و احکام کا ایک سلسلہ اس کی لفظی کیفیت سے متعلق ہے یعنی انسان سے جہاں تک ہو سکے اچھی قرائت کرے اور "ترتیل" کے عنوان سے قرائت کرے اور احادیث کا ایک سلسلہ یہ بتاتا ہے کہ علم و تدبر اور غور و فکر کے ساتھ قرائت کرے ۔

ترتیل کے سلسلہ میں قرآن، سورہ مزّمل میں ارشاد فرماتا ہے : " ورتّل القرآن ترتیلاً ۔ انّا سنلقی علیک قولاً ثقیلاً " یعنی قرآن کے حروف کو مخارج کے ساتھ ادا کرتے ہوئے ٹھہر ٹھہر کر اس کی تلاوت کرو، ہم تم پر سنگین کلام نازل کریں گے۔ قرآن اس نقطۂ نگاہ سے سنگین اور وزنی ہے کہ اس کے معارف و حقائق کا سمجھنا بھی دشوار ہے اور اس کے احکام پر عمل بھی مشکل ہے، ساتھ ہی قیامت کے دن یہ قول میزان کے پلڑے پر بھی وزنی و سنگین ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے : " فامّا من ثقلت موازینہ فھو فی عیشۃ راضیۃ " (قارعہ/ ۵-٦) قیامت کے روز جس کا عمل حق کی میزان میں وزنی ہوگا وہ جنت میں عیش و آرام کی زندگی بسر کرے گا۔

قرآن کریم اس جہت سے نفس کے لئے بھاری ہے کہ اس کے احکام نفسانی خواہشات کے برخلاف اور اس سے سازگار نہیں ہیں لہٰذا نفس پر بہت سنگین و دشوار ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفس خواہشات کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔

نہج البلاغہ میں پیغمبر اکرمؐ کا ایک قول نقل ہے، حضرتؐ فرماتے ہیں : " حفت النّار بالشّھوات و حفت الجنّۃ بالمکارہ " دوزخ خواہشات اور شہوات سے گھری ہوئی اور جنت دشواریوں سے گھری ہے۔ یعنی انسان جس طرف اور جس رخ سے لذت کی طرف کھنچا جائے اس کی انتہا آتش جہنم ہے۔ اور جس راہ سے بھی جنت تک پہنچا جائے، دشواریوں، مشکلوں اور مصیبتوں سے دوچار ہوتا ہے۔

قرآن اس نظر سے قول ثقیل اور وزنی ہے کہ قیامت کے دن اعمال کی الٰہی میزان میں تولا جائے گا، کیونکہ اس روز اس کی حقیقت ظاہر ہوگی، اس روز اس کے اسرار کھلیں گے اور لوگوں کی سمجھ میں آئے گا کہ قرآن احکام و دستورات کے اعتبار سے بہت وزنی تھا۔

لیکن یہی قرآن جو نفس امارہ اور قوت شہوت و غضب کے لئے بہت دشوار اور سنگین ہے کوری اور اچھوتی فطرت کے لئے آسان ہے۔ ارشاد ہوتا ہے : " ولقد یسّرنا القرآن للذّکر فھل من مدّکر " (قمر/ ۲۲) یہ آیت جو سورۂ قمر میں چار مرتبہ نازل ہوئی ہے اس میں ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے قرآن کو پند و نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنایا ہے، کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟ جب کہ سورۂ مزّمل

اسی قرآن کو قول ثقیل قرار دیتا ہے۔ اور یہاں فرماتا ہے کہ قرآن آسان ہے اور ہم نے اسے آسان قرار دیا ہے۔ وہ سنگینی اور ثقالت اس اعتبار سے تھی کہ اس کا مفہوم و مطلب سنگین و گراں قدر ہے ہلکا پھلکا نہیں ہے۔ اور یہ آسان سنگین کے مقابل میں نہیں ہے کہ بعض لوگ یہ سوچنے لگیں کہ ان دو آیتوں میں تناقض اور ٹکراؤ پایا جاتا ہے، کیونکہ ثقیل، خفیف کا مقابل ہے اور یسیر (آسان) عسیر (مشکل) کے مقابلہ میں ہے۔ لہٰذا یہ قرآن ہلکا اور سبک نہیں ہے اس لئے کہ اس کے معانی و مفاہیم سنگین و وزنی ہیں اور دوسری طرف مشکل و دشوار بھی نہیں ہے کیونکہ فطری ضروریات کے عین مطابق ہے۔

سورۂ مزمل کی آخری آیت میں ارشاد ہوتا: "فاقرؤا ما تیسّر من القرآن علم ان یکون منکم مرضیٰ و آخرون یضربون فی الارض...." خدا چاہتا ہے کہ تم ہمیشہ صحیح و سالم اور حالت حضر میں نہیں ہو بلکہ کبھی سفر میں ہو اور کبھی مشکلات دشواریوں اور امراض کا شکار، بہر حال قرآن پڑھنے کے مناسب موقعوں کو ہاتھ سے جانے نہ دو اور غنیمت سمجھو۔ عام حالات میں قرآن پڑھو کیونکہ ہمیشہ قرآن پڑھنا تمہیں میسر نہ ہوگا۔

انسان جب قرآن کی تلاوت شروع کرتا ہے عبادت خدا میں مشغول ہوتا ہے اور چونکہ منزل عبادت میں قدم رکھتا ہے لہٰذا شیطان اس کے خلاف اپنے حملہ کا آغاز کرتا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے: " فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم،، جب قرآن پڑھنے کا قصد کرو تو شیطان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے درگاہ الٰہی میں پناہ حاصل کرو" (النحل/۹۸)

بنا براین جب قرائت و تلاوت غور و فکر اور تزکیۂ نفس کے ساتھ ہو تو عبادت ہے اور جب عبادت ہے تو شیطان حملہ آور ہوتا ہے اور جب شیطان حملہ کرتا ہے تو اس سے محفوظ رہنے کے لئے استعاذہ ضروری ہے لہٰذا یہ استعاذہ یعنی (اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم) آداب تلاوت میں سے ہے۔

تلاوت کی ذمہ داری

تلاوت کی ذمہ داری، تہذیب نفس اور قرآن کے بیان کردہ احکام کو اپنے ذہن میں

محفوظ رکھنا ہے۔ یہ ذمہ داری سورۂ بقرہ کی آیت ۴۴ میں بیان کی گئی ہے ۔ ارشاد ہوتا ہے:
"أتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسكم وانتم تتلون الكتاب افلا تعقلون" تم کس طرح لوگوں کو نیکو کاری کا حکم دیتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو جب کہ تم کتاب خدا (قرآن) کی تلاوت کرتے ہو ۔ پھر اس میں غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے ؟

اس آیت کریمہ میں مذکور کتاب خدا، وحی آسمانی ہے چاہے وہ قرآن کی شکل میں ہو یا گزشتہ انبیاء کرامؑ پر نازل شدہ کتابوں کی شکل میں ہو کیونکہ قرآن نے گزشتہ انبیاء پر نازل شدہ کتابوں کی تصدیق کی ہے ۔

اس آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تلاوت کا مقصد تہذیب نفس اور اس کے احکام کو پیش نظر رکھنا ہے ، ورنہ جو ذکر ، نفس کا تزکیہ نہ کرے اللہ کا ذکر ہی نہیں ہے ۔ لہٰذا کتاب خدا کی تلاوت ، تزکیۂ نفس کے لئے ہے یعنی اگر کوئی اپنے نفس کا تزکیہ شروع نہ کرے اور کتاب خدا کی تلاوت میں مشغول ہو وہ اس آیت میں شامل مانا جائے گا جب کہ اپنے نفس کو بھول کر کی جانے والی تلاوت درست اور سازگار نہیں ہے ۔ اس سلسلہ میں معصومینؑ کی روایتیں بھی ہم تک پہنچی ہیں جن میں سے بعض کو ہم یہاں نمونہ کے طور پر ذکر کرتے ہیں :۔

عن ابی عبد الله (ع) قال : قال رسول الله (ص) : ان اهل القرآن فی اعلیٰ درجة من الآدمیین ماخلا النبیین والمرسلین فلا تستضعفوا اهل القرآن حقوقهم فانّ لهم من الله العزیز الجبّار لمکاناً علیاً"

(اصول کافی ۔ فضل حامل القرآن ۔ حدیث اول)

"امام صادقؑ فرماتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا : اہل قرآن ، انبیاء و مرسلینؑ کے علاوہ انسانوں کے اعلیٰ ترین درجہ میں ہیں پس اہل قرآن کے حقوق کو کم شمار نہ کرو کیونکہ خدائے عزیز و جبار کی جانب سے انھیں بڑا عالی اور بلند مقام حاصل ہے"۔
اور اگر مسئلہ " واعتصموا بحبل الله .... " کے تجزیہ سے یہ بات واضح ہو جائے کہ

اس "حبل" الٰہی کا ایک سرا خدا سے متعلق ہے، اس کا درمیانی حصہ خدا کے نیکو کار سفیروں یعنی فرشتوں کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا اور آخری حصہ انسانوں کے ہاتھ میں ہے، اس کے بعد انسانوں سے کہا گیا ہے "واعتصموا بحبل اللہ جمیعًا" تو اس کا لازمہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے تلاوت کے تمام آداب کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کی تلاوت کی، اسے سمجھا اور اس پر عمل کیا تو وہ اس حد تک بلندی و کمال حاصل کرتا ہے کہ "سفرۃ کرام بررۃ" خدا کے نیکو کار معزز یعنی فرشتوں کی صف میں شامل اور ان سے مرتبط ہو جائے۔ چنانچہ امام صادقؑ سے نقل ایک دوسری حدیث میں یہی بات کہی گئی ہے۔

عن ابی عبد اللہ (ع) الحافظ للقرآن، العامل به مع السفرۃ الکرام البررۃ۔

(اصول کافی - فضل حامل قرآن - حدیث دوم)

قرآن کا وہ حافظ جو اس پر عمل بھی کرتا ہے، آخرت میں اللہ کے باعظمت و نیکو کار فرشتوں کے ہمراہ ہوگا۔ کیونکہ حبل اللہ ان کے ہاتھوں میں ہے۔ اگر انسان بھی اس رسی کو تھام لے اور بلند مدارج طے کرتا جائے تو فرشتوں کی صف میں پہنچ جائے گا۔

قرآن پڑھنے والے

ایک روایت حضرت امام محمد باقرؑ سے ہم تک پہنچی ہے جس میں حضرتؑ نے قرآن پڑھنے والے مختلف گروہوں کا ذکر فرمایا ہے اور اس میں ہر گروہ کے قرآن پڑھنے کا مقصد بھی بیان کیا ہے۔ حضرتؑ فرماتے ہیں:

قرّاء القرآن ثلاثة: رجل قرأ القرآن فاتّخذه بضاعة واستدرّ به الملوك واستطال به على الناس ورجل قرأ القرآن فحفظ حروفه وضيّع حدوده واقامه اقامة القدح فلا كثّر الله هؤلاء من حملة القرآن. ورجل قرأ القرآن فوضع دواء القرآن على

داءِ قلبه فأسهر به ليله و أظمأ به نهاره
وقام به في مساجده و تجافى به عن فراشه
فبأولئك يدفع الله العزيز الجبار البلاء باولئك
يديل الله عزّ وجلّ من الاعداء وباولئك ينزّل
الله عزّ وجلّ الغيث من السّماء فوالله لهؤلاء
في قرّاء القرآن اعزّ من الكبريت الاحمر"

(کافی، ج ۲۔ کتاب فضل القرآن۔باب النوادر حدیث اوّل)

قرآن پڑھنے والے تین طرح کے لوگ ہیں:

اوّل — وہ شخص جو قرآن پڑھتا ہے، اسے اپنے روزگار کا سرمایہ قرار دیتا ہے، اسے سلاطین و حکام کے یہاں سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ بناتا ہے اور قرآن سمجھنے یا اسکی تلاوت کے ذریعہ خود کو لوگوں سے اونچا اور برتر سمجھتا ہے۔

دوم — وہ شخص ہے جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کے حروف کو تو حفظ کرتا ہے لیکن اس کے حدود و احکام کو ضائع کرتا ہے۔ یہ قرآن اس کے لئے ایک تیر کے مانند ہے جسے اس نے اپنے پیچھے لگا رکھا ہے۔ خداوند عالم قرآن پڑھنے والوں میں ایسے لوگوں کا اضافہ ہرگز نہ فرمائے۔

سوم — جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اسے اپنے دکھے ہوئے دل کی دوا سمجھتا ہے اور اسے پڑھنے نیز اس پر عمل کرنے کے لئے رات کو بیداری اور دن کو تشنہ لبی کے ساتھ گزارتا ہے۔ اپنی نمازیں اس کے ذریعہ قیام کرتا ہے، اور اسی کے ذریعہ فرش استراحت سے دور رہتا ہے۔ ایسے ہی لوگ زمین کی برکتیں ہیں۔ خدائے عزیز و جبار ان ہی کے ذریعہ بلاؤں کو دور کرتا ہے، ان کی برکت سے دشمنوں کے شر کو دفع کرتا ہے اور آسمان سے (بندوں پر) باران رحمت نازل کرتا ہے۔ خدا کی قسم یہ لوگ قرآن پڑھنے والوں میں کبریت احمر سے بھی کم یاب ہیں۔

شفاء و دوا — اس حدیث شریف میں قرآن دوائے قلب کے عنوان سے بیان ہوا ہے۔

لیکن خداوند عالم قرآن میں خود قرآن کو شفا کی صفت سے یاد کرتا ہے، ارشاد ہوتا ہے، "وننزل من القرآن ماھو شفاء ورحمة للمؤمنین" (اسراء/۸۲) قلب اور نفس کی بیماریوں کے علاج کے نقطہ نظر سے شفاء قرآن کریم کی سب سے زیادہ ظریف اور دقیق تعبیر ہے۔ کیونکہ ممکن ہے دوا اثر نہ کرے لیکن شفا چونکہ مداوا ہی مداوا ہے لہٰذا اس کا اثر نہ کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ دوا اور شفا کو چراغ اور نور سے تشبیہ دی جاسکتی ہے کیونکہ چراغ کو خاموش کیا جاسکتا ہے لیکن چونکہ نور کی روشنی اس کی ذاتی ہے لہٰذا اسے خاموش کیا جانا ممکن ہی نہیں ہے۔ روشن کی جانے والی چیزیں تو خاموش ہوسکتی ہیں لیکن نور ہمیشہ نور اور روشنی ہے۔

قلب کے امراض؟

قرآن، قلب کی بیماریوں کو گناہ سمجھتا ہے لہٰذا وہ ایسے شخص کو جو نامحرم کی آواز پر کان دھرتا ہے اور اس سے اس میں جذبات پیدا ہوتے ہیں مریض جانتا ہے۔ چنانچہ ازواج پیغمبر اکرمؐ سے خطاب کرتے ہوئے سورۂ احزاب میں ارشاد فرماتا ہے: فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض (آیت/۳۲) "دیکھو ہرگز (نامحرم سے) نرم اور ملائم لہجہ میں گفتگو نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ جس شخص کا قلب بیمار ہے طمع اور لالچ میں مبتلا ہو جائے"

زمین کی برکتیں

بہرحال وہ پاک انسان جو قرآن کو اپنے دل کی دوا جانتے ہیں اور قرآن سے اس قدر انس رکھتے ہیں کہ اپنی راتیں اس کے ساتھ بسر کرتے ہیں اور اپنی نماز وعبادات میں اس کے ہمدم وہم آواز ہیں ایسے انسانوں کا گروہ زمین کی برکتوں میں سے ہے۔ خداوند عالم ان لوگوں کے ذریعہ زمین سے بلاؤں کو دفع کرتا ہے۔

زکریا ابن آدم، جو اپنے عہد کی عظیم علمی شخصیت اور حضرت امام رضاؑ کے شاگرد رشید

ہیں (اور شیخان، قم میں دفن ہیں) حضرت کی خدمت میں پہنچے اور عرض کی: قم کے بزرگ، اہل علم اور بوڑھے افراد وفات پا چکے اور اب جوان تنہا رہ گئے ہیں ان کے ساتھ زندگی گزارنا میرے لئے دشوار ہے۔ آپ اجازت دے دیں کہ قم سے باہر چلا جاؤں حضرت رضاؑ نے فرمایا: تم قم ہی میں رہو کیونکہ خداوند عالم تمہاری برکت سے قم سے بلا و عذاب کو دور کرتا ہے بالکل اسی طرح جیسے میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰؑ بن جعفرؑ کی قبر کی برکت سے خدا اس علاقہ سے عذاب دور رکھتا ہے۔

یہ عالم باعمل کے وجود کی برکت ہے کہ حضرتؑ فرماتے ہیں اے زکریا! تم قم میں رہو کیوں کہ تمہارا وجود لوگوں سے عذاب و بلا کے دور ہونے کا باعث ہے۔ اسی باب میں شیخ کلینیؒ امام سجادؑ سے ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا:۔ "لومات من بین المشرق والمغرب لما استوحشت بعد ان یکون القرآن معی" (یہ حدیث بہت ہی دلچسپ ہے اور اسے سب کو یاد رکھنا چاہئے) یعنی اگر روئے زمین پر بسنے والے تمام انسان مر جائیں اور قرآن میرے ساتھ ہو تو مجھے وحشت کا احساس تک نہیں ہوگا۔

یہ روایت مومنین کے لئے بہت حیات بخش ہے کہ اگر دنیا کے تمام انسان مر جائیں اور قرآن ان کے ساتھ رہے تو انھیں کسی طرح کا خوف و ہراس نہ ہوگا۔ اب چاہے یہ موت ظاہری ہو یا حقیقی یعنی کافر ہو جانا۔ پس اگر تمام لوگ کافر ہو کر خدا سے برگشتہ ہو جائیں اور میں تنہا موحد و مسلمان رہوں تو مجھے کسی سے خوف زدہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ انسان خدا سے کیا چاہتا ہے؟ ہمیشہ کی سعادت و خوش بختی! اور یہ ابدی سعادت قرآن کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ یہ قرآن ہے کہ جو انسان کو آخرت کی تمام فلاح و سعادت اور خوش بختی کی تمام راہیں بتاتا اور خداوند عالم کی عبادت کے تمام طریقے اس کو سکھاتا ہے اور اس سے کہتا ہے: اگر دنیا تمہاری دشمن ہو جائے اور تمہارے پاس قرآن ہو تو کسی سے نہ ڈرو! ان کے مقابل میں ڈٹ جاؤ اور استقامت و پائداری اختیار کرو اور اس بات سے دل کو

مطمئن رکھو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے اور قرآن تمہارا مونس و ہمدم ہے۔

وکان علیہ السلام اذا قرأ "ملك یوم الدین" یکررھا حتّٰی کاد ان یموت۔

اور روایت میں ہے حضرت امام زین العابدینؑ جب "ملك یوم الدین" فرماتے تھے تو اس کی اس قدر تکرار کرتے تھے کہ لگتا تھا حضرتؑ کے جسم سے روح پرواز کرنے والی ہے۔ یہ قرآن کی صحیح معرفت اور اس کی برحق تلاوت نیز اس کے معانی پر توجہ دینے کا اثر ہے جو حضرتؑ کو قیامت کی طرف اس قدر متوجہ کر رہا ہے کہ آپ جب بھی اس آیت تک پہنچتے ہیں اسے اس قدر دہراتے ہیں کہ گمان ہونے لگتا ہے کہ آپ اس دنیا ہی سے رخصت ہونے والے ہیں۔

۱؎ قدح، یہاں تیر کے معنی میں ہے۔ معمولاً ایک جنگجو یا کوئی اور شخص جب تیر اپنے ہمراہ رکھتا ہے تو سفر کے دوران ترکش کو اپنے پیچھے گھوڑے کی پشت پر باندھتا ہے تاکہ ضرورت کے وقت ان تیروں سے کام لے۔ یہاں حضرتؑ نے ان افراد کو جو قرآن کو اچھی طرح سمجھتے اور ان کے معانی سے آگاہ ہیں لیکن اسے ضائع کرتے ہیں، ایسے شخص سے تشبیہ دی ہے جو تیر اپنے ہمراہ رکھتا ہے، تیراندازی بھی جانتا ہے لیکن جہاں اسے تیر استعمال نہ کرنا چاہیئے وہاں استعمال کرتا ہے۔ یا پھر صرف خودنمائی کے لئے وہ تیر کمان اپنے ہمراہ رکھے ہوئے ہے۔ یہ لوگ بھی ایسے ہی ہیں۔ عالم ہیں لیکن بےعمل کہ قرآن، اس کے معانی، اس کے کلمات اور آیات کا علم رکھنے کے باوجود اسے بروئے کار نہیں لاتے اور اس کے احکام کو ضائع کرتے ہیں۔

تلاوت قرآن کے آداب

ہماری یہ گفتگو تلاوت قرآن، اس کی کیفیت اور تلاوت کی فضیلت کے بارے میں تھی۔ گزشتہ باب میں ہم نے چند روایتیں نقل کیں۔ اب آگے ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب اصول کافی اور علم حدیث کی بقیہ تین کتابوں میں چھٹے امام سے ایک روایت نقل ہے امام صادقؑ نے فرمایا: "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ: حملۃ القرآن عرفاء اهل الجنّة والمجتهدون قوّاد اهل الجنّة والرسل سادة اهل الجنّة"۔

میرے جد بزرگوار حضرت رسول خداؐ نے فرمایا کہ حاملین قرآن (یعنی وہ لوگ جنھوں نے قرآن پڑھا سمجھا اور اس پر عمل کیا) اہل جنت کے عرفا ہیں۔ مجتہدین (یعنی وہ لوگ جو اس کوشش میں رہتے ہیں کہ خود کو پالیں اور اللہ کے احکام پر عمل کریں) اہل جنت کے قائد و رہبر ہیں اور انبیاء و مرسلین اہل جنت کے سردار و آقا ہیں۔

سید کا لقب وہ روشن ترین اور بہترین لقب ہے کہ ہم اس لقب کے ذریعہ اہل بیتؑ کو خطاب کرتے ہیں مثلاً سید الانبیاء، سید الاولیاء، سیدۃ نساء العالمین، سید الشہداء وغیرہ۔

قرآن سیکھنا

اصول کافی میں قرآن کی تعلیم حاصل کرنے سے متعلق ایک مخصوص باب موجود ہے اس باب

میں حضرت امام صادقؑ سے ایک روایت نقل ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ینبغی للمؤمن ان لایموت حتی یتعلم القرآن اوان یکون فی تعلمه"

یہ سزاوار نہیں ہے کہ کوئی مؤمن مرجائے اور اس نے قرآن کی تعلیم حاصل نہ کی ہو یا اس کی تعلیم کی راہ میں گامزن نہ ہو۔ ایک دوسری حدیث حفص بن غیاث امام موسیٰ کاظمؑ سے نقل کرتے ہیں امامؑ نے فرمایا:

"سمعت موسیٰ بن جعفر علیه السلام یقول لرجل: اتحب البقاء فی الدنیا؟ فقال نعم فقال ولم؟ قال، لقرائة قل هو الله احد"

امام موسیٰ کاظمؑ نے ایک شخص سے دریافت کیا کہ کیا تم دنیا میں باقی رہنا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا، ہاں حضرت نے پوچھا کیوں؟ عرض کیا قل هو الله احد پڑھنے کے لئے۔

(شیخ صدوقؒ نے کتاب توحید میں نقل کیا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے فرمایا: چونکہ خداوند عالم جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں قرآن پر گہری تحقیق کرنے والے گروہ پیدا ہوں گے لہٰذا اس نے سورہ توحید اور سورہ حدید کی ابتدا کی آیتوں کو "هو الله علیم بذات الصدور" تک نازل فرمایا۔

درحقیقت جو یہ کہتا ہے کہ میں سورۂ قل هو الله احد کی تلاوت کرنے کے لئے زندہ رہنا چاہتا ہوں وہ عرفان و افکار کی بلند ترین چوٹی پر پہنچا ہوا ہے۔

اسی حدیث کو جاری رکھتے ہوئے حفص کہتے ہیں، امام ہفتمؑ نے ایک لمحہ کے لئے خاموشی اختیار کی اس کے بعد فرمایا: "یا حفص من مات من اولیائنا و شیعتنا ولم یحسن القرآن علم فی قبره لیرفع الله به من درجته فان درجات الجنة علی قدر (او عدد) آیات القرآن۔"

اے حفص! ہمارے چاہنے والوں اور شیعوں میں سے اگر کوئی مرجائے اور اس نے قرآن کی تعلیم حاصل نہ کی ہو تو (یہ شیعیت و ولایت اس کے لئے برکت بن جائے گی کہ) اسے قبر میں (عالم برزخ میں) قرآن کی تعلیم دی جائے گی تاکہ جنت میں اس کے درجات میں اضافہ کیا جائے کیونکہ جنت کے درجات قرآن کی آیتوں کے برابر (یعنی تقریباً ۶۲۰۰ سے زیادہ) ہیں

"یقال له اقرأ وارق فیقرأ ثم یرقی" اس سے کہا جائے گا کہ جس قدر قرآن پڑھ

سکتے ہو پڑھو اور ترقی و بلندی حاصل کرو۔ پس وہ پڑھے گا اور ترقی کرے گا۔

گزشتہ قسطوں میں عرض کیا جا چکا ہے کہ: بعض افراد صرف "جنّات تجری من تحتہا الانہار" کی قرأت و تلاوت کرتے ہیں اور ان ہی جنتوں کو حاصل کرنے میں سرگرداں ہیں لیکن بعض ان سے بھی بلند مرتبہ والے ہیں وہ یہ کہتے ہیں: "ما عند اللہ خیر و ابقیٰ"، جو کچھ خدا کے پاس ہے بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اور بعض اولیاء خدا میں سے ہیں جو کہتے ہیں: "واللّٰہ خیر و ابقیٰ" (خود) خداوند عالم بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ یہ وہ بلند و بالا مقام ہے جسے بیان کرنے سے اصطلاحیں اور الفاظ قاصر ہیں۔

بہرحال اس حدیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہمارے ائمہ معصومین کی نگاہ میں تلاوت دراصل وہی ہے جو ترقی و کمال کا پیش خیمہ ہو۔ یہ معمولی اور ظاہری طور پر کی جانے والی تلاوت تو حقیقت میں تلاوت نہیں ہے۔

کتاب "توحید صدوق" کے سب سے پہلے باب "ثواب الموحدین" میں حضرت فرماتے ہیں: "قیامت میں خداوند عالم کی جانب سے ایک منادی غیب سے آواز دے گا کہ جس شخص نے لا الٰہ الا اللّٰہ" کہا وہ جنت میں جائے گا۔ راوی نے حضرت کی خدمت میں عرض کی پھر آپ ان لوگوں کو کیا جواب دیں گے جو لا الٰہ الا اللّٰہ کہتے ہیں اور احکام پر عمل نہیں کرتے؟ ممکن ہے کہ ہر عادل و ظالم، مومن و فاسق لا الٰہ الا اللّٰہ کہہ دے۔ اس طرح تو کام بہت آسان ہے؟!

حضرت نے فرمایا: اس روز مومن کے علاوہ کسی کو توحید یاد ہی نہیں رہے گی۔

جی ہاں! یہ تمام اعمال اس لئے ہیں کہ مومن کے اندر ان کا ملکہ پیدا ہو جائے تاکہ وہ انھیں کبھی فراموش نہ کرے ورنہ انسان سے قبر میں اللہ، پیغمبر اور کتاب وغیرہ کے بارے میں سوال کیوں کیا جاتا ہے؟ اگر یہ طے ہو کہ الفاظ ہی کے ذریعہ جواب دیا جائے گا تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا خدا، کتاب، پیغمبر و قبلہ کیا ہے؟ لیکن جس مسلمان نے احکام پر عمل نہیں کیا قبر میں اسے کچھ یاد نہ آئے گا کیونکہ وہاں زبان انسان کے اختیار میں نہیں ہے، عمل ظاہر ہوتا ہے اور جواب دیتا ہے۔

قیامت اور فراموشی

کیا فشار قبر اور موت کے جھٹکے انسان کو اس قابل رکھتے ہیں کہ اسے عالم برزخ میں یاد آئے کہ وہ کس

دین کا پیرو ہے اور کس آئین پر عمل کرتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حضرتؑ فرماتے ہیں: اس روز مومنین کے علاوہ دوسروں کو توحید یاد بھی نہ رہے گی۔

انسان جب اس دنیا میں بعض ظاہری بیماریوں مثلاً ٹائفائڈ وغیرہ کے زیر اثر اپنی بعض علمی یادداشتیں کھو بیٹھتا ہے تو عالم برزخ میں بدرجہ اولیٰ آسان سے آسان مذہبی سوالات کے جوابات دینے سے قاصر رہے گا۔ جبکہ وہاں کبھی مشکل اور دشوار احکام سے متعلق سوال نہیں کیا جاتا، بلکہ دین کی بدیہی باتیں (جو سب پر ظاہر ہیں) پوچھی جاتی ہیں۔ ہاں شرط یہ ہے کہ انسان خود کو اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح سے آراستہ کرے تاکہ وہاں آسانی کے ساتھ سوالات کے جوابات دے سکے۔

ایک مرتبہ ہمارے استاد بزرگوار امام خمینی رضوان اللہ علیہ نے ایک درس کے آخر میں فرمایا تھا: ایک روایت ہے جس میں ارشاد ہوتا ہے کہ: بعض افراد قیامت میں ایسے ہوں گے کہ عذاب کے ایک احقاب (اب یہ احقاب ستر سال کا یا اسّی سال کا یا کچھ کم یا زیادہ ہوتا ہے ہم نہیں جانتے) کے گزر جانے کے بعد، جب ان سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا پیغمبر کون ہے؟ تو جواب دیں گے کہ ہمارا پیغمبر وہ ہے جس پر قرآن نازل ہوا ہے! یعنی اس وقت تک ان لوگوں کو آنحضرتؐ کا نام بھی یاد نہ آئے گا۔

جی ہاں! ایسا نہیں ہے کہ موت کے بعد کے حالات قبل از موت جیسے حالات ہوں۔ وہاں زبان اور اعضاء و جوارح انسان کے اختیار میں نہیں ہیں۔ یعنی وہ ظاہری اسباب و علل جو دنیا میں انسان کے اختیار میں تھے، وہاں سلب ہو جائیں گے "تقطّعت بهم الاسباب" (سورۂ بقرہ، آیت ۱۶۶) البتہ یہ صورت حال عالم برزخ میں اس کی برزخ کی حد تک ظاہر ہوگی اور قیامت میں پورے طور سے نمایاں ہوگی۔

یہاں یہ یاد دہانی ضروری ہے کہ وہی فشار و عذاب جن میں انسان ایک مدت تک مبتلا رہتا ہے اور رفتہ رفتہ گناہوں سے پاک ہوتا جاتا ہے اسے آہستہ آہستہ وہ سوال و جواب یاد آتے جاتے ہیں جیسا کہ مذکورہ بالا روایت میں نقل ہوا کہ ایک احقاب کے گزرنے کے بعد بھی انسان اس مرحلہ تک پہنچتا ہے کہ اسے صرف اتنا یاد آتا ہے کہ پیغمبر وہی جس پر قرآن نازل ہوا ہے۔

بہرحال یہ مسائل امت کے گنہگاروں کے لئے ہیں، ورنہ خالص مومن جواب دینے میں ایک لحہ کی دیر بھی نہیں لگائے گا۔ اس پر کوئی فشار نہیں ہے، نہ موت کے وقت اور نہ عالم برزخ میں بلکہ مومن کے لئے موت سے زیادہ خوشگوار کوئی اور لذت ہے ہی نہیں کیونکہ (اس کی حالت تو یہ ہوتی

ہے گویا) ایک قیدی عالم جاویدانی کی طرف پرواز کرتا ہے اور مصائب و آلام سے بھری ہوئی پُرآشوب دنیا سے آسائش و لذت سے سرشار دنیا میں پہنچ جاتا ہے۔

"قال حفص: ما رأیت احداً اشد خوفاً علی نفسه من موسیٰ بن جعفر علیه السلام ولا ارجیٰ الناس منه"

"حفص کہتے ہیں کہ میں نے کسی ایک شخص کو حضرت موسیٰ بن جعفرؑ کے مانند اپنے نفس پر خوف زدہ اور ان سے زیادہ امیدوار نہیں دیکھا" کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا۔

"وکانت قرأته حزناً فاذا قرأ فکانه یخاطب انساناً"

یہاں تلاوت کے آداب ظاہر ہو رہے ہیں: "جب امامؑ قرآن کی تلاوت فرماتے تھے تو آپ کی آواز حزن واندوہ میں ڈوبی ہوتی تھی اور یوں تلاوت فرماتے تھے گویا کسی سے گفتگو فرما رہے ہیں"

یہ جو روایت میں آیا ہے کہ جب بھی سنو کہ "یا ایها الذین آمنوا" کی تلاوت کی جارہی ہے تو جواب میں "لبیک" کہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب اب بھی اپنی جگہ باقی ہے اور قرآن ہمیشہ انسان سے ہم کلام ہوتا ہے ورنہ "لبیک" کے کیا معنی ہیں؟ بنابر ایں قرآن پڑھنے کا مطلب اللہ سے باتیں کرنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ جہاں بھی قرآن اہل ایمان سے خطاب کرتا ہے وہاں انسان "لبیک" کہے۔ البتہ صرف زبان سے نہیں بلکہ عمل کے ذریعہ بھی اللہ کے کلام پر لبیک کہے۔

حلول وارتحال

شیخ کلینیؒ نے کتاب کافی میں آداب تلاوت کے باب میں حضرت امام زین العابدینؑ سے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرتؑ سے دریافت کیا گیا "ای الاعمال افضل"؟ کون سا عمل افضل و بہتر ہے؟ "قال: الحال المرتحل" یعنی کوئی شخص جب قرآن کی تلاوت شروع کرے تو ایک مرحلہ سے دوسرے مرحلہ میں منتقل ہو یہاں تک کہ آخر قرآن تک پہنچ جائے راوی کہتا ہے، میں نے امامؑ سے پوچھا "وما الحال المرتحل" حال مرتحل کیا ہے؟ "قال: فتح القرآن وختمه" فرمایا قرآن شروع کرنا اور اسے ختم کرنا۔ "کلما جاء با وله ارتحل بآخره" جب بھی وہ اس کے پہلے مرحلہ تک پہنچتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اس سے انتقال اور رحلت کرے اور اسے

طے کرتا ہوا آخر تک پہنچ جائے۔

اس کے بعد امام سجادؑ نے حضرت رسول خداؐ سے ایک روایت نقل کرتے ہوئے فرمایا:

"من اعطاہ اللہ القرآن فرأی ان رجلاً اعطی افضل مما اعطی فقد صغر عظیماً و عظم صغیراً"۔

جسے خداوند عالم نے قرآن عطا کیا ہو (یعنی قرآن کا علم، اس کی معرفت، اور قرآن کو اس کی روزی قرار دیا ہو) اور اس کے بعد بھی وہ یہ سوچے کہ خداوند عالم نے دوسروں کو جو نعمت عطا کی ہے وہ مجھے عطا کردہ نعمت سے بالاتر ہے تو گویا اس شخص نے بڑے کو چھوٹا شمار کیا اور چھوٹے کو بڑا قرار دیا ہے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ علوم قرآن سے برتر و بالا، بافضیلت و گراں قدر کوئی بھی نعمت نہیں ہے اور اگر کوئی شخص قرآن کو اس کے مطالب کے ساتھ سیکھ لے اور اس کے بعد بھی اس عظیم نعمت کو حقیر شمار کرے یا کسی دوسری نعمت کو اس سے زیادہ بیش قیمت قرار دے، اس نے درحقیقت قرآن عظیم کو حقیر شمار کیا ہے اور اس دوسری نعمت کو جو حقیر و کمتر تھی عظیم و برتر سمجھا ہے۔

تلاوت قرآن

کتاب "وافی" میں "قراءۃ القرآن و ثواب القرائۃ" "تلاوت قرآن اور اس کا ثواب" کے عنوان سے ایک باب ہے اس باب میں امام جعفر صادقؑ سے ایک روایت نقل ہے، آپ نے فرمایا "القرآن عھد اللہ الی خلقہ" "قرآن اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک عہد و پیمان ہے" اور چونکہ یہ عہد خدا ہے لہذا ہر مسلمان کے لئے سزاوار ہے کہ اللہ کے اس عہد کو دیکھے اور کم از کم ہر روز اس الہیٰ عہد نامہ کی تلاوت کرے۔

اسی باب میں شیخ طوسیؒ کی کتاب "تہذیب" سے ایک حدیث نقل ہے کہ امام علی رضاؑ نے فرمایا: "ینبغی للرجل اذا اصبح ان یقرأ بعد التعقیب خمسین آیۃ"۔ انسان کے لئے بہتر ہے کہ نماز صبح کی تعقیبات کے بعد قرآن مجید کی پچاس آیتیں تلاوت کرے۔

کتاب "وافی" کے مولف نے تیسری حدیث کلینی سے نقل کی ہے کہ امام زین العابدینؑ نے فرمایا "آیات القرآن خزائن و کلما فتحت خزانۃ ینبغی لک ان تنظر فیھا"،

اگرچہ ملّا فیض نے اپنی اس کتاب میں یہ حدیث "قرأت قرآن" کے باب میں نقل کی ہے لیکن یہ حدیث "قرآن میں تدبر" کے باب میں زیادہ مناسب ہے حضرتؑ فرماتے ہیں: قرآن کی آیتیں الٰہی خزانے ہیں، جب بھی کوئی خزانہ کھلے تو تمہارے لئے سزاوار ہے کہ اسے دیکھو اور اس پر غور کرو۔

ہر عہد اور ہر زمانہ میں قرآن کے بارے میں بے انتہا کتابیں لکھی گئیں اور لکھی جا رہی ہیں لیکن قرآن ایسا بحر بیکراں ہے کہ اس پر جتنا بھی لکھا اور بیان کیا جائے، اس کے تمام مطالب کا احصا نہیں کیا جا سکتا پس جب ان بیش قیمت خزانوں کا کوئی ایک خزینہ کھل جائے تو بہتر ہے کہ انسان اس میں دقت نظر کے ساتھ دیکھے اور اس پر غور و فکر کرے۔

مؤلف نے اس باب کی چوتھی حدیث ابن قداح سے نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ امام محمد باقرؑ نے مجھ سے فرمایا: پڑھو! میں نے عرض کیا: کیا پڑھوں؟ فرمایا قرآن کے نویں سورہ سے کچھ پڑھو۔ میں نویں سورہ کو تلاش کر رہا تھا کہ حضرتؑ نے فرمایا: سورۂ یونس سے پڑھو کیونکہ سورۂ یونس قرآن کا نواں سورہ ہے۔

ابن قداح کہتے ہیں، میں نے سورۂ یونس کھولا اور ان آیات کی تلاوت کی: "للذین احسنوا الحسنٰی وزیادۃ ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلۃ"۔ اس آیت کریمہ کے شروع میں یہ جملہ ہے "واللہ یدعوا الٰی دار السّلام ویھدی من یشاء الٰی صراط مستقیم" (سورۂ یونس آیت ۲۵، ۲۶)

لوگ خداوند عالم کی طرف سے دی جانے والی دعوت کے سلسلہ میں دو گروہ میں بٹے ہوئے ہیں ایک گروہ اس دعوت و ہدایت کو قبول کرتا ہے اور دوسرا گروہ اس سے انکار کرتا ہے۔ عاقبت حسنہ اور انجام خیر ان مومنین کا حصہ ہے جنھوں نے الٰہی دعوت کو قبول کیا اس کی آواز پر لبیک کہی ہے۔ کسی طرح کی سیاہی ان کے چہروں پر عارض نہیں ہوتی اور نہ کبھی کوئی ذلت ان کو نصیب ہوتی ہے۔

یہ جو اس آیت میں ارشاد ہے کہ: کوئی سیاہی ان کے چہروں پر عارض نہیں ہوتی، اور دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ" (آل عمران، آیت ۱۰۶) یعنی اس روز جبکہ بعض چہرے سفید اور بعض چہرے (گناہوں کے اثر سے) سیاہ ہو جائیں گے۔ یہ سیاہی جو گناہوں کے اثر سے چہرہ پر عارض ہوتی ہے، کوئی غیر فطری امر نہیں ہے، کیونکہ انسانوں کے اعمال و افعال اور ان کے چہرہ کی رنگت میں ایک ربط موجود ہے کہ مثال کے طور پر جب بھی کسی چیز سے خجل و شرمندہ ہوتا ہے تو اس کے چہرہ کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور جب بھی وہ ڈرتا ہے چہرہ پر زردی چھا جاتی ہے۔ اور جب وہ گناہ کرتا ہے تو طبیعی طور پر اس کا چہرہ سیاہ ہونا چاہئے لیکن خدائے متعال اس کی

آبرو کی حفاظت کی خاطر دنیا میں یہ رنگ اس کے چہرہ پر ظاہر نہیں کرتا یہاں تک روز قیامت آجائے اس وقت گنہ گار انسان کا چہرہ تاریک رات کی مانند سیاہ اور صاحب ایمان و باتقویٰ انسان کا روشن اور سفید ہو کر خلائق کے سامنے ظاہر ہو گا۔

"اولئك اصحاب الجنة هم فيها خالدون" (سورۂ یونس، آیت ۲۶) یہی لوگ اہل جنت ہیں جو اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ابن قداح کہتے ہیں: میں نے سورۂ مبارکہ یونس کی آیتیں یہاں تک کہ (للذین احسنوا الحسنیٰ ـــ قتر ولا ذلة) تک امام محمد باقرؑ کی خدمت میں تلاوت کیں، حضرت نے فرمایا: "حسبك" "اسی قدر کافی ہے اس کے بعد فرمایا: "قال رسول الله: انی لاعجب کیف لا اشیب اذا قرأت القرآن" مجھے تعجب وحیرت ہے کہ جب میں قرآن پڑھتا ہوں تو بوڑھا کیوں نہیں ہو جاتا!

یہ ادب تلاوت ہے کہ پورے تأثر کے ساتھ قرآن پڑھا جائے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جب بھی انسان قرآن کی تلاوت کرتا ہے جبکہ اس حالت میں اس کی زبان عبادت میں مشغول ہے اس کے تمام اعضاء وجوارح کو بھی عبادت میں مشغول رہنا چاہئے گویا وہ سماعت وبصارت اور مختصر یہ کہ اپنے پورے وجود کے ساتھ قرآنی آیات سے بہرہ مند ہو اور ان کی تلاوت سے فائدہ اٹھائے۔

قرآن دیکھ کر اس کی تلاوت

اصول کافی کی کتاب "فضل القرآن" میں مصحف کے ذریعہ قرآن کی تلاوت کا ایک باب ہے اس میں معصومین علیہم السلام سے روایتیں نقل ہوئی ہیں اور اسی مطلب کو بیان کرتی ہیں کہ بہتر ہے انسان قرآن کو خود کتاب کھول کر پڑھے۔

اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا:

جعلت فداك . انی احفظ القرآن علی ظهر قلبی فاقرأه علی ظهر قلبی افضل او النظر فی المصحف ؟

آپ پر فدا ہو جاؤں میں قرآن کا حافظ ہوں! پس اگر میں قرآن کی تلاوت اپنے حفظ سے کروں یہ بہتر اور بافضیلت ہے یا قرآن کھولوں اور اسے دیکھ کر تلاوت کردوں؟

حضرت نے جواب میں فرمایا :

"بل اقرأہ وانظر فی المصحف فھو افضل، اما علمت ان النظر فی المصحف عبادۃ"[1]

بلکہ قرآن کو دیکھ کر اس کی تلاوت کرو، قرآن کھولو اور پڑھو یہ افضل ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ قرآن میں دیکھنا عبادت ہے ؟

نہ صرف قرآن پڑھنا اور قرآن پہ نگاہ ڈالنا عبادت ہے بلکہ قرآن کو اپنے ہمراہ رکھنا بھی عبادت ہے یہ معجز نما الفاظ ہیں جن کا جواب کوئی نہیں لاسکتا اور یہ خداوند عالم کا کلام ہے ان الفاظ کا اپنے ہمراہ رکھنا عبادت وثواب ہے۔

قرآن ہمراہ رکھنا

کتاب "وافی" کے باب "اتخاذ المصحف وکتابتہ" میں حماد بن عیسٰی امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا ۔

انہ لیعجبنی ان یکون فی البیت مصحف یطرد اللّٰہ بہ الشیاطین،

"مجھے یہ بات پسند ہے کہ گھر میں قرآن ہو، خداوند عالم اس کے ذریعہ شیطانوں کو دور کرتا ہے ۔"

البتہ یہ بات واضح ہے کہ اپنے ہمراہ قرآن رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا اسی صورت میں شیطانوں کو دھتکارے گا جب اس کی تلاوت کی جائے۔ اس سے تعلیم حاصل کی جائے، اس سے تزکیہ وتعلیم کی بات پیش کی جائے اس کے مسائل واحکام کی تحقیق کی جائے اور ان پر عمل کیا جائے۔ اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ قرآن گھر میں رکھ دیا جائے ، اور اس پر گرد وخاک پڑتی رہے۔ مذکورہ پہلی صورت میں تو قرآن شفاعت کرے گا اور دوسری صورت میں خدا سے شکایت کرے گا پس قرآن کی تلاوت کرنا اور قرآن کے ظاہر سے انس رکھنا ہی برکت ہے چہ جائیکہ اس سے بڑھ کر تعلیم حاصل کرنا اور آیات کی تحقیق کرنا ۔

گھر میں قرآن پڑھنا

"البیوت التی یقرأ فیھا القرآن" (یعنی وہ گھر جن میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے) کے باب

---

[1] "کافی" ج ۲ ص ۶۱۳ روایات پنجم

میں شیخ کلینیؒ نے پیغمبر اسلامؐ سے ایک روایت نقل کی ہے، آنحضرتؐ نے فرمایا۔

"نوّروا بیوتکم بتلاوۃ القرآن ولا تتّخذوھا قبوراً"۔

اپنے گھروں کو قرآن کی تلاوت کے ذریعہ روشن و منور بناؤ، انھیں قبرستان نہ بناؤ کیونکہ جس گھر میں قرآن کا ذکر نہ ہو وہ گویا خاندانی قبرستان ہے، زندگی بسر کرنے کی جگہ نہیں ہے، کیونکہ انسان اسی وقت زندہ ہے جب اس کی زندگی میں قرآن شامل ہو۔ آنحضرتؐ مزید فرماتے ہیں۔

کما فعلت الیھود والنصاریٰ، صلّوا فی الکنائس والبیع وعطّلوا بیوتھم۔

یعنی یہودیوں اور عیسائیوں کے مانند اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، انھوں نے اپنے کلیساؤں اور عبادت خانوں میں نماز پڑھی اور مخصوص عبادت بجا لائے۔ لیکن اپنے گھروں کو محروم و معطّل رکھا۔

گویا عبادت صرف عبادت گاہوں میں ہو سکتی ہے۔ فانّ البیت اذا کثر فیہ تلاوۃ القرآن کثر خیرہ واتّسع اھلہ واضاء لاھل السّماء کما تضیٔ نجوم السّماء لاھل الدنیا[1]

پس بلاشبہ جس گھر میں قرآن کی تلاوت زیادہ ہوتی ہے اس گھر کی خیر و برکت بھی زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ گھر اہل آسمان کے لئے یوں ضوبار ہوتا ہے جیسے آسمان کے ستارے اہل زمین کے لئے نور افشانی کرتے ہیں۔

اسی سلسلہ کی ایک دوسری روایت ابن القدّاحؒ امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں، آپؑ نے فرمایا:

البیت الذی یقرأ فیہ القرآن ویذکر اللہ عزّوجلّ فیہ تکثر برکتہ وتحضرہ الملائکۃ وتھجرہ الشّیاطین ویضیٔ لاھل السّماء کما تضیٔ الکواکب لاھل الارض وانّ البیت الذی لا یقرأ فیہ القرآن ولا یذکر اللہ عزّوجلّ فیہ تقلّ برکتہ وتھجرہ الملائکۃ وتحضرہ الشّیاطین۔[2]

وہ گھر جس میں قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور خدا کا ذکر کیا جاتا ہے اس کی برکت زیادہ ہوتی ہے فرشتے اس میں حاضر ہوتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے دور ہو جاتے ہیں وہ گھر

---

[1] کافی ج ۲ ص ۶۱۰ روایت اوّل

[2] کافی ج ۲ ص ۶۱۰ روایت سوّم

اہل آسمان کے لیئے اس طرح نور افشانی کرتا ہے جیسے ستارے زمین والوں کے لیئے چمکتے ہیں، اور جس گھر میں قرآن کی تلاوت اور خدا کا ذکر نہیں ہوتا بلا شبہ اس کی برکت کم ہو جاتی ہے، فرشتے اس گھر سے دور ہو جاتے ہیں اور وہ شیطانوں کا ڈیرا بن جاتا ہے۔

اکثر آپ دیکھتے ہیں کہ انسان کبھی کوئی کام انجام دینے کی توفیق پا جاتا ہے یا کسی عبادت کے ادا کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے یا پھر خداوند عالم اسے کسی ایسے دینی خطرہ سے محفوظ رکھتا ہے جو اس کے گناہ میں مبتلا ہونے کا سبب بنتا ہے۔ یہ سب ان ہی قرآنی آیات کی برکت کا نتیجہ ہے جس کی اس نے گھر میں تلاوت کی ہے ایک اور روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے:

ان البیت اذا کان فیہ المرء المسلم یتلو القرآن یترا ءاہ اھل السماء کما یتراءی اھل الدنیا الکواکب الدرّیّ فی السماء۔

بلا شبہ وہ گھر جس میں ایک مسلمان قرآن پڑھتا ہے اہل آسمان اس گھر سے نور حاصل کرتے اور فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے اہل زمین آسمان کے چمکدار ستارہ کو دیکھتے اور اس کے نور سے راہ تلاش کرتے ہیں۔

کتاب "وافی" کے باب النوادر میں جابر امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں، آپؑ نے فرمایا

وقعت مصحف فی البحر فوجدوہ وقد ذھب ما فیہ الا ھذہ الآیہ. الا الی اللّٰہ تصیر الامور۔

ایک قرآن دریا میں گر پڑا لوگوں نے دیکھا کہ اس ایک آیت کے علاوہ اس کی تمام آیتیں دھل گئی ہیں! آگاہ رہو کہ تمام امور کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔

کیا لطیف تعبیر ہے یعنی جو کچھ بھی خدائی رنگ نہ رکھتا ہو اور خدا کے لئے نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے اور جو کچھ رہ جاتا ہے وہ ہر وجود سے خدا کے ارتباط کا پہلو ہے بقیہ سب کچھ محو اور زائل ہو جانے والا ہے۔ کیا اچھی تمثیل اور کیا بہترین آیت ہے۔

خوش الحانی کے ساتھ تلاوت

قرآن کی قرائت خوش الحانی اور اس پر غور کرنے کے بارے میں کافی میں تیرہ روایتیں نقل ہوئی ہیں ان میں سے ایک ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱؎ کافی، ج ۲، ص ۶۱۰ روایت دوم

امام جعفر صادق علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ: "ورتل القرآن ترتیلاً" کے کیا معنی ہیں؟ آپؑ نے فرمایا حضرت امیر المومنینؑ کا ارشاد ہے۔ "بیّنہ تبیاناً ولا تھذّہ ھذّ الشعر ولا تنثرہ نثر الرمل ولکن افزعوا قلوبکم القاسیۃ ولا یکن ھمّ احدکم آخر السورۃ"[1]

قرآن کو صحیح و درست بیان کرو یعنی حروف و الفاظ کو روشن و واضح انداز میں ادا کرو نہ شعر کی مانند اسے تیزی اور عجلت کے ساتھ پڑھو اور نہ ریت کی مانند اسے اس قدر پراگندہ اور ایک دوسرے سے جدا نثر میں پڑھو بلکہ اس طرح پڑھو کہ تمہارے سخت دل نرم ہو جائیں اور کبھی تمہاری تمام فکر یہ نہ رہے کہ کس طرح جلد از جلد آخری سورہ تک پہنچ جاؤ۔

تلاوت کا ادب

ادب تلاوت کے سلسلہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت نقل ہوئی ہے، آپؑ فرماتے ہیں "قرآن پڑھنے والا اگر تلاوت کے دوران ایسی آیت پر پہنچا جس میں خداوند عالم سے کسی چیز کی طلب اور درخواست کی گئی ہے تو بے فیض ہی نہ گزر جائے بلکہ خدا سے اپنے خیر کی دعا کرے اور اگر ایسی آیت پر پہنچے جس میں ڈرانے خوف دلانے اور عذاب الٰہی کا تذکرہ ہو تو خدا سے پناہ طلب کرے اور آتش جہنم سے محفوظ رہنے کی دعا کرے۔

لہٰذا تلاوت کے آداب میں (قرآنی آیات کے سلسلہ میں) غور و فکر دعا اور استغاثہ بھی شامل ہے صرف پڑھ لینا ہی کافی نہیں ہے۔ اگرچہ صرف پڑھنا بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں ہے۔

قرآن ختم کرنے کی مدت

تلاوت کے آداب میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کتنی مدت میں قرآن ختم کرے؟

---

[1] کافی ج ۲، ص ۶۱۴ روایت اوّل ۔ ھذّ، ھذّاً و ھذاذاً کے معنی کسی چیز کا جلدی اور تیزی کے ساتھ کاٹنا ہیں کہ یہاں بھی پڑھنے میں تیزی کے معنی میں استعمال ہوا ہے اور نثر، نثراً و نثاراً ایک دوسرے سے جدا ہونے پراگندہ اور متفرق ہونے کے معنی میں ہے یعنی پڑھتے وقت حروف ایک دوسرے سے اس قدر دور اور جدا ہوں کہ الفاظ درست ادا نہ ہو سکیں۔ راغب نے مفردات میں لکھا ہے: الترتیل، ارسال الکلمۃ من الفم بسھولۃ و استقامۃ، یعنی ترتیل کا مطلب ہے الفاظ کو آسان اور رواں انداز میں ذہن سے نکالنا، یعنی تمام حروف صحیح ادا ہوں لہٰذا نہ تیزی اور جلد بازی کی وجہ سے کوئی حرف بولنے سے رہ جائے اور نہ آہستہ یا سستی کے ساتھ ادا کرنے سے حروف ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔

قرآن ختم کرنا ماہ رمضان میں ایسی خصوصیت رکھتا ہے کہ دوسرے مہینوں کو وہ خصوصیت حاصل نہیں ہے جابر نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ آپؑ نے فرمایا: ہر چیز کی ایک بہار ہے اور قرآن کی بہار ماہ رمضانؑ ہے۔ لہٰذا کہا گیا کہ ماہ مبارک رمضان میں انسان تین روز کے اندر قرآن ختم کر سکتا ہے۔ لیکن ماہ رمضانؑ کے علاوہ زیادہ غور و فکر کے ساتھ پڑھے۔

شیخ کلینیؒ نے کافی میں ختم قرآن کی مدت سے متعلق باب میں کئی روایتیں نقل کی ہیں ان میں سے ایک روایت یہ ہے کہ: ایک روز ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا۔

میں ماہ رمضان المبارک میں ہر شب ایک قرآن ختم کر سکتا ہوں، حضرتؑ نے فرمایا: نہیں ایسا نہ کرو، پوچھا دو شبوں میں؟ حضرتؑ نے فرمایا نہیں، دریافت کیا، پھر کیا تین شبوں میں قرآن ختم کر سکتا ہوں؟ حضرتؑ نے ہاتھ کے اشارہ سے اظہار کیا کہ قابل قبول ہے اس کے بعد فرمایا

یا ابا محمّد، انّ لرمضان حقّا وحرمة لایشبهه شیٔ من الشهور وکان اصحاب محمد صلی الله علیه وآله وسلّم یقرأ احدهم القرآن فی شهر او اقل انّ القرآن لایقرأ هذرمة ولکن یرتّل ترتیلا فاذا مررت بآیة فیها ذکر الجنة فقف عندها وسل الله عزّوجلّ الجنة واذا مررت بآیة فیها ذکر النار فقف عندها وتعوّذ بالله من النار[1]

اے ابو محمدؑ! ماہ رمضان ایک عظیم حق اور بڑے احترام کا سزاوار ہے کہ کوئی مہینہ اس کے جیسا نہیں ہے (پس اگر ماہ رمضان المبارک میں تمھیں اتنی تیزی کے ساتھ قرآن پڑھنے کی چھوٹ ہو تو دوسرے مہینوں میں ایسا نہیں ہے) حضرت پیغمبر اسلامؐ کے اصحاب کرام میں سے ہر ایک قرآن کو ایک ماہ یا اس سے کم عرصہ میں ختم کرتا تھا، بلاشبہ قرآن جلدی جلدی نہیں پڑھا جاتا بلکہ ایک ایک لفظ کو ڈھنگ سے اور غور کرکے پڑھا جاتا ہے پس اگر تم کسی ایسی آیت پر پہنچو جس میں جنت کا ذکر ہو تو وہاں ٹھہرو اور خداوند عالم سے جنت کے لئے دعا کرو اور اگر ایسی آیت پر پہنچو جس میں جہنم کا نام ہو

---

[1] کافی، ج ۲ ص ۶۱۷ روایت دوم "اقرب الموارد کے" مطابق: هذرم ای اسرع فی القراءة والکلام، یعنی پڑھنے اور گفتگو کرنے میں جلدی کی۔

تو وہاں رکو اور خداوند عالم سے آتش جہنم سے پناہ مانگو۔

اس بنا پر تیزی اور جلد بازی کے ساتھ قرآن پڑھنا درست نہیں ہے لہٰذا معمولاً رمضان المبارک کے علاوہ قرآن کو ایک ماہ یا اس سے بھی زیادہ عرصہ میں ختم کرتے ہیں تا کہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ انسان اس پر غور و فکر بھی کرتا رہے۔

قرآنی سوروں کے فضائل

تلاوت قرآن کے آداب میں ایک اور بحث جو پیش آتی ہے وہ قرآنی سوروں کے فضائل ہیں اس سلسلہ میں بہت سی روایتیں معصومین سے نقل ہوئی ہیں۔ سورۂ مبارکہ حمد کے بارے میں امام محمد باقر سے نقل ہے کہ اگر اس سورہ نے کسی کو شفا نہ بخشی تو پھر وہ لاعلاج ہے[1]۔

البتہ سورۂ حمد صرف ظاہری امراض کا علاج نہیں ہے بلکہ باطنی و قلبی امراض کا علاج کرتی ہے وہی امراض جن کا قرآن میں ذکر آیا ہے۔ (فی قلوبھم مرض) ان کے دلوں میں مرض ہے۔

بہرحال بہتر ہے کہ انسان پابندی کے ساتھ قرآن پڑھتا رہے یا کم از کم قرآن کے بعض سوروں کی تلاوت کی مداومت رکھے اور جس طرح رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شب مسبحات ستہ[2] کی تلاوت فرماتے تھے یوں ہی انسان کو چاہئے کہ سونے سے قبل ان مسبحات کی تلاوت کرے مسبحات ستہ سے مراد سورۂ حدید، سورۂ حشر، سورۂ جمعہ، سورۂ صف، سورہ تغابن اور سورۂ اعلیٰ ہیں۔

جابر سے نقل ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا جو شخص تمام مسبحات سونے سے پہلے پڑھا کرے اس وقت تک نہیں مرے گا جب تک قائم آل محمدؑ کی زیارت نہ کر لے، اور اگر مر گیا تو پیغمبر اسلامؐ کے جوار میں ہو گا۔

سورۂ انعام کے سلسلہ میں وارد ہوا ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: سورۂ انعام جستہ جستہ نازل نہیں ہوا بلکہ ایک ہی بار میں نازل ہوا ہے۔ اس کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے، اور اسے پیغمبر اسلامؐ کی بارگاہ تک پہنچایا پس اس کی تعظیم و تکریم کرو کیونکہ اسم مبارک اللہ ستر مرتبہ اس سورہ میں آیا ہے۔ اگر لوگ یہ جان لیتے کہ اس کے پڑھنے میں کتنا اجر و ثواب ہے اسے کبھی ترک نہیں کرتے[3]۔

---

[1] "من لم یبرأہ الحمد لم یبرأہ شئ"، کافی ج ۲ ص ۶۲۶، روایت نمبر ۲۲

[2] کافی، ج ۲ ص ۶۲۰، روایت سوم۔ مسبحات سے مراد وہ سورے ہیں جو "سبح" یا "یسبح" سے شروع ہوتے ہیں۔

[3] کافی جلد ۲ ص ۶۲۲، روایت نمبر ۱۲

بہرحال جس طرح بعض سوروں کی فضیلت میں روایتیں بیان ہوئی ہیں یوں ہی بعض آیات کے سلسلہ میں بھی الگ سے روایتیں نقل ہوئی ہیں شیخ کلینیؒ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

من استکفی بآیة من الشرق الی الغرب کفیٰ اذا کان بیقین [۱]

یعنی اگر کوئی شخص مشرق سے مغرب تک قرآن کی ایک آیت سے کفایت کا مطالبہ کرے اور اگر اسے یقین کے ساتھ پڑھے تو وہی ایک آیت اس کے لئے کافی ہے کیا قرآن میں نہیں آیا ہے کہ الیس اللّٰہ بکافٍ عبدہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اگر اللہ کافی ہے تو کلام اللہ بھی اگر یقین و اعتقاد کے ساتھ پڑھا جائے کافی ہوگا۔

آداب تلاوت کی بحث کے تتمہ میں ہم کتاب "وافی" سے ایک دعا نقل کر رہے ہیں جس کا عنوان ہے "باب الدعا عند قرأة القرآن" "تلاوت قرآن سے پہلے پڑھی جانے والی دعا کا باب"۔ اس دعا سے استفادہ ہوتا ہے کہ تلاوت کا مطلب بغیر غور و فکر کے قرآن پڑھنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ایسا پڑھنا ہے جو غور و فکر کے ساتھ ہو صرف زبانی لقلقہ نہ ہو اور یہ آداب تلاوت کا تقاضا ہے۔ اس دعا میں آیا ہے۔

"اللّٰھم فھب لنا حسن تلاوتہ وحفظ آیاتہ وایماناً بمتشابھہ وعملاً بمحکمہ وسبباً فی تاویلہ وھدیً فی تدبیرہ وبصیرۃ بنورہ"

خدایا! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم قرآن کی بہتر تلاوت کریں، اس کی آیتوں کو حفظ کریں اس کے متشابہات پر یقین و ایمان پیدا کریں اس کی محکم آیتوں پر عمل کریں اس کی تدبیر سے ہدایت اور اس کے نور سے بصیرت حاصل کریں۔

"اللّٰھم وکما انزلتہ شفاءً لاولیائک وشقاءً علیٰ اعدائک وعمیً علیٰ اھل معصیتک ونوراً لاھل طاعتک فاجعلہ لنا حصناً من عذابک وحرزاً من غضبک وحاجزاً عن معصیتک"

بارالہا! جس طرح تو نے قرآن کو اپنے اولیاء اور دوستداروں کے لئے شفا اور اپنے دشمنوں کے لئے شقاوت و بدبختی اور اپنے گناہ گاروں کے لئے نابینائی اور اپنے اطاعت گزار بندوں کے لئے نور و روشنی بنا کر نازل کیا ہے۔ پس اسے ہمارے لئے اپنے عذاب سے محفوظ رکھنے والا محکم قلعہ اور اپنے قہر و غضب سے بچنے کے لئے پناہ گاہ اور گناہوں کے مقابلہ میں بند قرار دے۔

---

[۱] ۔ کافی جلد ۲ صفحہ ۶۲۳ روایت نمبر ۱۸

"ولنوراً یوم نلقاک فنستضئ بہ فی خلقک ونجوز بہ صراطک ونہتدی بہ الی جنتک"

اور اسے ہمارے لیے یوم لقا کا وہ نور قرار دے جس سے ہم تیرے بندوں میں روشنی حاصل کریں اس کے ذریعہ صراط سے گزر جائیں اور وہ جنت کی طرف ہماری رہنمائی کرے

اللّٰہم انا نعوذبک من الشقوۃ فی حملہ والعمی عن عملہ والجور فی حکمہ والعلو عن قصدہ والتقصیر دون حقہ "

خداوندا ہم تجھ سے پناہ چاہتے ہیں کہ حامل قرآن ہونے کے باوجود شقاوت سے کام لیں علم قرآن سے اندھے ہوں، اس کے معارف کو نہ سمجھیں اور اس کے احکام میں ستم و جور کو روا رکھیں اس کی راہ سے تجاوز کریں اور اس کا حق ادا نہ کریں سبیل قصد وہی درمیانی راہ اور صراط مستقیم ہے جسے بہرحال طے کرنا چاہئے اور اس سے کسی طرح روگردانی اور گریز نہیں کرنا چاہئے خداوند عالم نے قرآن میں جس راہ کی نشاندہی کی ہے وہی صراط مستقیم ہے اور نجات کی وہی راہ ہے کہ اگر کسی نے اس سے گریز کیا تو گویا راہ خدا کو طے نہیں کیا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔

"وعلی اللہ قصد السبیل ومنہا جائر ولو شاء لہدٰکم اجمعین" (سورہ نحل آیت ۹)

یہ خدا پر ہے کہ تمھیں سیدھی راہ کی نشان دہی کرے اور دوسری راہ بھی ہے جو گمراہی کی راہ ہے (پس خدا کی راہ سے گریز نہیں کرنا چاہئے) اور اگر خدا چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا۔ اس بنا پر جو لوگ خدا کی راہ سے دور ہوئے اور اس سے گریز کیا وہ منحرف و گمراہ ہو گئے ہمیں ہمیشہ خداوند عالم سے دعا کرنی چاہئے کہ اس قرآن کے ذریعہ اپنی سیدھی راہ ہم پر کھول دے اور یہ قرآنی آیات میں غور و فکر نیز الٰہی احکام کے مقابل تسلیم و خضوع کے ذریعہ ہی میسر ہے۔

اللّٰہم احمل عنا ثقلہ واوجب لنا اجرہ واوزعنا شکرہ واجعلنا نعیہ ونحفظہ

خداوندا! قرآن کی سنگینی ہمارے دوش سے ہٹا لے، اس کی جزا ہمیں عطا فرما، اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی توفیق کرامت فرما اور ہمیں ایسا بنا دے کہ اسے اچھی طرح سمجھیں اور حفظ کریں

ظرف قرآن

"اذن واعیہ" کی بحث میں یہ بات گزر چکی ہے کہ صرف وہی لوگ مفاہیم و معارف قرآن کو درک کر سکتے ہیں جو غور سے سننے والے کان رکھتے ہیں، یعنی ان کے دل معارف قرآن کا ظرف ہیں، قرآن ارشاد فرماتا ہے "وتعیہا اذن واعیۃ" یعنی اسے یاد رکھنے والے کان سن کر یاد رکھیں حضرت امیر المومنین علیہ السلام

کا بھی ارشاد گرامی ہے: "ان ھٰذہ القلوب اوعیۃ فخیرھا اوعاھا"۔

یہاں انسان خدا سے یہ دعا کرتا ہے کہ ہمیں وہ توفیق عطا کر دے کہ ہماری جان اور ہمارے قلب قرآن کا ظرف بن جائیں کیونکہ اگرچہ قرآن کے قاری اور اس کی تلاوت کرنے والے بہت ہیں لیکن وہ افراد جن کے قلوب اور جن کی جانیں قرآن کا ظرف ہیں بہت کم ہیں۔ انسانوں کی درجہ بندی کے سلسلہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی ایک مشہور حدیث ہے آپؑ کمیل ابن زیاد سے فرماتے ہیں۔

الناس ثلاثۃ: عالم ربانی ومتعلم علی سبیل نجاۃ وھمج رعاع اتباع کل ناعق...

انسان تین طرح کے ہیں، ایک عالم ربانی ہے دوسرا نجات کا طالب علم ہے اور تیسرے...

اس روایت میں حضرت علی علیہ السلام نے عالم ربانی اور راہ نجات کے متعلم کو مفرد تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ یہ گروہ بہت ہی مختصر سا ہے لیکن تیسرا گروہ جس کی تعداد بہت ہے اسے صیغۂ جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ جن کے قلوب قرآن کا ظرف ہیں بہت تھوڑے ہیں اور اس دعا میں ہم خدا سے طلب کرتے ہیں کہ ہمیں بھی اس گروہ میں قرار دے۔

اللھم اجعلنا نتبع حلالہ ونجتنب حرامہ ونقیم حدودہ ونؤدی فرائضہ

خدایا! ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم قرآن کے حلال کی پیروی کریں اور اس کے حرام سے پرہیز کریں، اس کے حدود قائم کریں اور اس کے فرائض ادا کریں۔

اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہم سے جس تلاوت کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ غور و فکر کے ساتھ ہے ورنہ اگر تلاوت سے مراد بغیر غور و فکر کے صرف قرائت ہوتی تو کوئی ضرورت نہیں تھی کہ قراءت سے پہلے انسان خدا سے اس طرح کی درخواست کرتا۔

اللھم ارزقنا حلاوۃ فی تلاوتہ ونشاطاً فی قیامہ ووجلاً فی ترتیلہ وقوۃ فی استعمالہ فی آناء اللیل والنھار۔

خدایا! ہمیں قرآن کی تلاوت میں حلاوت ولذت ونشاط عطا فرما۔ (یعنی قرآن کی تلاوت سے ہم لذت حاصل کریں تکلیف محسوس کریں) اور جب ہم اس کی آیتوں کی تلاوت کریں تو خوف وخشیت ہمارے دل میں پیدا ہو۔ ہمیں وہ قوت وتوانائی عطا کر کہ دن ورات کے تمام اوقات میں اسے بروئے کار لاسکیں اور اس سے استفادہ کریں۔

یہ جو اس دعائے شریفہ میں آیا تھا کہ خدایا ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہمارے دل معارف قرآن کا ظرف بن جائیں یہ اس لئے ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن کے مقابل تسلیم و خضوع سے کام نہ لے گا تو اس کے معارف کو سمجھنے سے محروم رہ جائے گا۔

سأصرف عن آیاتی الّذین یتکبّرون فی الارض بغیر الحقّ (اعراف ۱۴۶)

"یعنی جو لوگ خدا کی زمین پر ناحق اکڑتے پھرتے ہیں جلد ہی انہیں اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا"

خداوند عالم مغرور اور متکبر انسانوں کو توفیق نہیں دیتا کہ وہ قرآنی معارف و حقائق کو سمجھ سکیں، لہٰذا تکبر کرنے والا انسان آیات الٰہیہ سے، چاہے وہ تکوینی آیات ہوں یا تدوینی، آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ان کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

حاشیہ:۔ قرآن میں نواں سورہ وہی سورۂ توبہ ہے اور جو امام باقر علیہ السلام نے اس روایت میں سورۂ یونس کو نواں سورہ فرمایا ہے، ملا فیض کاشانی رہ نے اس کی چند وجہیں ذکر کی ہیں منجملہ ان میں سے۔ جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے۔ حضرتؑ نے سورہ انفال اور سورۂ توبہ کو ایک ہی سورہ اس لئے فرمایا ہے کہ دونوں سوروں میں جنگ و دفاع سے متعلق مطالب بیان کئے گئے ہیں۔ اور ان دونوں سوروں کو "قرینتین" کہتے ہیں نیز بسم اللہ بھی ان دونوں سوروں میں نہیں ہے اس لئے حضرتؑ نے سورۂ یونس کو نواں سورہ فرمایا ہے۔

⊙

دوسرا باب

قرآن سے تمسک

اور

اس کے احکام

قرآن سے تمسّک اور اس پر عمل

فصل اوّل کے تین امور میں سے پہلا امر جو تلاوت سے مخصوص تھا اس میں تلاوت کی کیفیت اور اس کی ذمہ داری وغیرہ سے متعلق باتیں بیان کی گئیں اب اس امر کے تحت آنے والے دو ابواب یعنی قرآن سے تمسک اور اس پر عمل کے باب اور نزول قرآن کے باب پر یہاں اجمال کے ساتھ بحث کی جا رہی ہے ۔

قرآن سے تمسک اختیار کرنا

قرآن سے تمسک اور اس پر عمل کے باب میں "کافی" کے اندر کئی روایتیں نقل ہوئی ہیں جن میں سے ایک طویل حدیث یہاں نقل کر رہے ہیں امام صادق علیہ السلام حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :

"ایّھا النّاس انّکم فی دار ھدنۃ و انتم علیٰ ظھر سفر والسّیر بکم سریع "
اے لوگو ابھی تم آرام کی جگہ اور صلح و آشتی کی منزل میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ تم ابھی راہ میں ہو اور تمھیں تیزی کے ساتھ لے جایا جا رہا ہے ۔

" وقد رأیتم اللّیل والنّھار والشّمس والقمر یبلیان کلّ جدید
ویقرّبان کلّ بعید ویأتیان بکلّ موعود فاعدّوا الجھاز لبعد المجاز

بلاشبہ تم نے دیکھا کہ شب و روز اور آفتاب و ماہتاب کی گردش ہر نئی چیز کو کہنہ بنا دیتی ہیں، اور ہر دوری کو نزدیک کر دیتی ہیں اور زمانہ کی یہ رفتار ہر وعدہ کی ہوئی چیز کو تمھارے سامنے پیش کرتی ہے، پس طویل مسافت کے لئے وسیلہ مہیا کرو کیونکہ تمھاری گزرگاہ اور عبور کی جگہ بہت دور ہے اور اس کے لیئے وسیلہ کی ضرورت ہے۔

قال: فقام المقداد بن الاسود فقال: یا رسول اللہ وما دار الهدنة؟ فقال دار بلاغ و انقطاع۔۔

اس وقت مقداد بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہؐ: دار ہدنہ کیا ہے؟ فرمایا ایسا گھر جو پہنچانے والا اور جدا کرنے والا ہے (کیونکہ انسان کو آخرت کی منزل تک پہنچاتا ہے اور انسان دنیا میں جس جس چیز سے لگاؤ اور دوستی رکھتا ہے اس سے اسے جدا کر دیتا ہے)

قرآن شفیع بھی ہے اور شاکی بھی

"فاذا التبست علیکم الفتن کقطع اللیل المظلم فعلیکم بالقرآن فانه شافع مشفّع وماحل مصدق"

پس اگر فتنے اور آشوب تاریک رات کے حصوں کے مانند تمھیں ڈھانپ لیں تو قرآن کی طرف رجوع کرو کیونکہ قرآن ایسا شفاعت کرنے والا ہے جس کی شفاعت خدا کے یہاں مقبول ہے اور ایسا عرض گزار ہے جس کی شکایت قابل قبول ہے۔

سچ ہے اگر قرآن قیامت کے دن تمھاری شفاعت کرے اور تمھارے حق میں کلام کرے تاکہ خدا تمہارے ساتھ از روئے عدل پیش نہ آئے بلکہ رحمت کو عدل کا ساتھی قرار دے اور صرف خدائے عادل نہیں بلکہ خدائے عادل و رحیم تمھارا حساب و کتاب کرے تو قرآن کی شفاعت مقبول قرار پائے گی۔ چنانچہ اگر خداوند عالم صرف عدالت کے سلئے آپ کا حساب و کتاب کرے گا تو بڑی مشکل پیش آئے گی لیکن اگر رحمت بھی عدالت کے ساتھ شامل ہو گئی اور دونوں نے باہم آپ کا حساب و کتاب کیا تو نجات کی امید پیدا ہو جائے گی۔

جس طرح قرآن کی شفاعت خدا کے نزدیک قبول ہے یوں ہی اگر خدانخواستہ وہ تمہاری شکایت کرے اور تمہاری بداعمالیاں بیان کرے اور روز جزا کے مالک سے تمہاری شکایت کرے تو خداوند عالم اس کی شکایت کی تصدیق کرے گا کیونکہ قرآن اللہ کا کلام ہے پس اگر وہ بندوں کی شکایت صاحب کلام تک پہنچائے تو متکلم اپنے کلام کی تصدیق کرے گا اور اس پر یقین کرے گا۔ اور وہ دن بہت سخت و دشوار ہے کہ قرآن مجید شفاعت کے بجائے ہماری شکایت کرے۔

قرآن بہترین رہنما

« ومن جعله امامه، قاده الی الجنة ومن جعله خلفه ساقه الی النار »

جو قرآن کو اپنے سامنے رکھے اور اس کی پیروی کرے تو قرآن اس کا ذمہ دار و ضامن ہوگا اور اسے جنت کی جانب روانہ کرے گا اور جو شخص قرآن کو پس پشت ڈال دے (نبذ کتاب اللہ وراء ظهره) قرآن اسے دوزخ اور عذاب الہیٰ کی طرف ہنکائے جائے گا۔

« وهو الدليل يدل علی خير سبيل »

اور قرآن ایسا راہنما ہے جو بہترین راہ کی نشان دہی کرتا ہے۔

« وهو كتاب فيه تفصيل و بيان و تحصيل وهو الفصل ليس بالهزل »

وہ ایسی کتاب ہے جس میں ہر چیز کی تفصیل اور اس کا بیان ہے۔ اس سے حقائق حاصل ہوتے ہیں اور کوئی مبہم بیان اس میں نہیں پایا جاتا۔ وہ جو بات بھی کہتا ہے سنجیدہ اور فیصلہ کنندہ ہے اس میں کبھی مذاق اور غیر سنجیدگی نہیں پائی جاتی۔

باطن قرآن کو سمجھنے کے لئے وراثتی علم ضروری ہے

"له ظهر وبطن" قرآن میں ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

قرآن کے ظاہر کو ظاہری علوم کے ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کے باطن کو ظاہری

علوم سے نہیں سمجھا جا سکتا ۔ امام صادق علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص تھا جو ایک مدرسہ کا اُستاد تھا اور اس نے فقہی و دینی مسائل میں کئی کتابیں بھی لکھی تھیں۔ ایک روز امام صادق علیہ السلام نے اس سے دریافت فرمایا: "بماذا تفتی الناس" "کس چیز کے ذریعہ فتویٰ دیتے ہو؟ اس نے عرض کی: "بالقرآن" "میں قرآن سے لوگوں کو فتویٰ دیتا ہوں۔ حضرتؑ نے فرمایا: تو قرآن سے فتویٰ دیتا ہے جبکہ خداوند عالم نے تجھے قرآن سے ایک حرف بھی عطا نہیں کیا ہے اور تو نے قرآن کے ایک حرف کی بھی میراث نہیں پائی ہے" "وما ورّثك الله من القرآن حرفاً"

وہ شخص جو ایک فرقہ کا پیشوا تھا اور جس نے قرآن کے احکام و مسائل سے متعلق کتابیں لکھی تھیں امامؑ اس سے فرماتے ہیں تجھے قرآن کا ایک حرف بھی میراث میں نہیں ملا ہے کیونکہ پڑھ لکھ کر حاصل کیا جانے والا علم قرآن کے ظاہر تک تو پہنچا سکتا ہے لیکن باطن قرآن کو وراثتی علم کے بغیر حل نہیں کیا جا سکتا اور جو وارث انبیاءؑ ہے صرف وہی باطن قرآن سے کچھ حاصل کر سکتا ہے۔ اگر ایسے علماء پیدا ہوں جو حقیقتاً انبیاء اور ان کے اوصاف کے وارث ہوں تو وہ باطن قرآن تک پہنچ سکتے ہیں مگر جس نے عملی طور سے انبیاء کی راہ کو ترک کر دیا اور ظاہر قرآن کا کچھ علم حاصل کر لیا وہ قرآن کی میراث سے کچھ بھی نہ پائے گا۔

"فظاهره حكم و باطنه علم، ظاهره انيق و باطنه عميق له تخوم و على تخومه تخوم لا تحصى عجائبه ولا تبلى غرائبه"

قرآن کا ظاہر حکم اور دستور ہے اور اس کا باطن علم و دانش ہے۔ اس کا ظاہر خوبصورت ہے اور باطن دقیق و عمیق اس میں گہرائیاں پائی جاتی ہیں اور ان گہرائیوں میں بھی گہرائیاں ہیں۔ اس کے عجائب و غرائب ناقابل شمار اور سدا بہار ہیں جو کبھی فرسودہ نہ ہوں گے۔ (کیونکہ قرآن صاحب علم و حکمت خدا کی طرف سے آیا ہے اور شب و روز، زمانہ کی گردشوں اور آفتاب و ماہتاب کے طلوع و غروب سے بالاتر ہے لہٰذا وہ کبھی زمان و مکان کی گردشوں سے فرسودہ و کہنہ نہ ہوگا)

قرآن، الٰہی جلوہ گاہ

"فيه مصابيح الهدى و منار الحكمة و دليل على المعرفة لمن

عرف الصفة فليجل جال بصره وليبلغ الصفة نظره ينج من عطب ويتخلص من نشب ..

قرآن میں ہدایت کے چراغ حکمت کی نشانیاں اور معرفت کی دلیلیں موجود ہیں لیکن یہ سب اس کے لئے ہے جو ان علامتوں اور صفتوں کو پہچانتا ہو پس آگے بڑھنے والا اور صاحب تحرک یہ چاہتا ہے کہ اپنی آنکھوں کو اور جلا بخشے اور بغور مشاہدہ کرے تاکہ اس صفت کو درک کر سکے نیز ہلاکت سے نجات اور جہالت سے چھٹکارا پا سکے ۔

قرآن اس الٰہی سائن بورڈ کے مانند ہے جو انسانی زندگی کی راہ میں نصب کیا گیا ہے لیکن اس کے لئے پاک فطرت کی ضرورت ہے تاکہ اس میں لکھی ہوئی علامتوں اور نشانیوں کو حاصل کر سکے اور حقیقت بینی کی ضرورت ہے تاکہ ان صفات کو دیکھ سکے جو شناخت و معرفت کا سبب ہیں اور ان صفات کو درک کرتے ہوئے خود کو ہلاکت و جہالت سے دور کرے اور دوسروں کو بھی نجات بخشے ۔

اس کے بعد آنحضرتؑ استدلال فرماتے ہیں :

فانّ التفکر حیاۃ قلب البصیر کما یمشی المستنیر فی الظّلمات بالنّور فعلیکم بحسن التخلّص وقلّۃ التربّص[1]

صاحب بصیرت انسان غور و فکر کے ذریعہ زندہ ہے اور فکر ہی انسانی دل کو حیات بخشتی ہے بالکل یوں ہی جیسے روشنی کا طالب نور یا چراغ کے ذریعہ اندھیروں اور تاریکیوں میں راہ طے کرتا ہے پس تم پر لازم ہے کہ بہترین انداز میں نجات و رہائی کی کوشش کرو اور اس کے انتظار میں کم رہو (تم ایسے مسافر کے مانند ہو کہ اگر جلدی نہیں گئے اور خود کو مشغول رکھا تو خواہ مخواہ تمھیں خود ہی لے جایا جائے گا پس خود زمین پر جم کر نہ رہ جاؤ اور اس سے پہلے کہ لوگ تمھیں لے جائیں تم خود چلے جاؤ اور خود چھٹکارا حاصل کرو اور قید و بند نیز دنیا کے روابط و تعلقات سے اپنا دل ہٹا لو)

قرآن کی ہدایت و نورانیت

شیخ کلینی امیر المومنین علیہ السلام سے ایک دوسری روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اپنے اصحاب و انصار سے فرمایا[2]: اعلموا انّ القرآن ھدی النّھار ونور اللّیل المظلم علی ماکان من جھد وفاقۃ"

---

[1] کافی ج ۲ کتاب فضل القرآن، روایت دوم

[2] کافی کتاب فضل القرآن، روایت ششم

جان لو کہ قرآن دن میں ہدایت اور رات میں روشنی و نورانیت فراہم کرتا ہے اگرچہ حاملان قرآن جد و جہد میں مصروف اور فقر و فاقہ میں مبتلا ہوں یعنی مشکلات کا دباؤ اور تنگ دستی ان کی روشن ضمیری میں آڑے نہیں آتی جبکہ اکثر حاملان قرآن زیادہ تر زندگی کے مشکلات اور فقر و تنگدستی کا شکار رہتے ہیں پھر بھی ان دونوں فضیلتوں یعنی دن کی ہدایت اور تاریک رات کی نورانیت سے شرف یاب ہوئے ہیں۔

ابن بابویہ قمیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے جس میں حضرت علی علیہ السلام اپنے فرزند محمد حنفیہ سے فرماتے ہیں:

"وعلیک بتلاوۃ القرآن والعمل بہ ولزوم فرائضہ وشرائعہ وحلالہ وحرامہ وامرہ ونہیہ والتھجد بہ وتلاوتہ فی لیلک ونہارک فانہ عہد من اللہ تعالیٰ الی خلقہ فھو واجب علیٰ کل مسلم ان ینظر کل یوم فی عہدہ ولو خمسین آیۃ"

میں تمہیں قرآن کی تلاوت اور اس کے احکام پر عمل کی تاکید کرتا ہوں۔ تم پر اس کے فرائض، واجبات، شرائع، حلال و حرام اور امر و نہی کی پابندی ضروری ہے، قرآن کے ساتھ شب زندہ داری کرو۔ رات اور دن میں قرآن پڑھا چونکہ یہ قرآن خداوند عالم کا اپنے بندوں کی طرف بھیجا ہوا عہد و پیمان ہے لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ خدا کے اس عہد پر نظر ڈالے چاہے روزانہ پچاس آیت ہی کیوں نہ پڑھے۔

جنت کے درجے آیات قرآن کے برابر

"واعلم ان درجات الجنۃ علیٰ قدر آیات القرآن فاذا کان یوم القیامۃ یقال لقاری القرآن: اقرأ وارقَ"

جان لو کہ جنت کے درجات قرآن کی آیتوں کے برابر ہیں۔ پس جب قیامت کا دن نمودار ہوگا تو قرآن کی تلاوت کرنے والے سے کہا جائے گا کہ تلاوت کرو اور بلندی حاصل

کرو۔ یعنی جس قدر اس نے دنیا میں قرآن پڑھا اور اس کی تعلیم حاصل کی تھی اسی قدر قرآن وہاں ظاہر ہوگا۔ اور اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا آخرت میں اس کی ترقی اور درجات کی بلندی دنیا میں اس کے قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی مقدار سے تعلق رکھتی ہے۔ بلاشبہ جنت میں انبیاء و صدیقین کے بعد حاملان قرآن سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہے لہٰذا جنت کے درجوں کو قرآنی آیات کے ذریعہ حاصل کرنا چاہیئے۔

قرآن کی جامع تعریف

شیخ کلینی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں آنحضرتؐ نے چند جملوں میں قرآن کی جامع و کامل تعریف بیان فرمائی ہے:

"القرآن هدى من الضلالة و تبيان من العمى واستقالة من العثرة ونور من الظلمة وضياء من الاحداث وعصمة من الهلكة و رشد من الغواية و بيان من الفتن و بلاغ من الدنيا الى الآخرة و فيه كمال دينكم وما عدل احد عن القرآن الا الى النار[1]"

یعنی قرآن مندرجہ ذیل فضائل و اوصاف کا حامل ہے۔

١ ـ رہنما اور گمراہوں کی ہدایت کرنے والا۔
٢ ـ ہر اندھے کو بینائی عطا کر دیتا ہے۔
٣ ـ ہر طرح کی لغزش سے بچاتا ہے۔
٤ ـ ہر طرح کی ظلمت و تاریکی کے لئے نور و روشنی ہے
٥ ـ ہر حادثہ میں امید کی کرن ہے۔
٦ ـ ہر ہلاکت سے بچانے والا ہے۔

---

[1] کافی کتاب فضل القرآن آٹھویں روایت۔

۷ ۔ ہر طرح کی گمراہی میں راہ راست دکھانے والا ہے۔

۸ ۔ تمام فتنوں کو واضح کرنے والا ہے۔

۹ ۔ انسان کو دنیا سے آخرت کی جانب لے جاتا ہے۔

۱۰ ۔ تمہارے دین کا کمال قرآن میں ہے۔

۱۱ ۔ جس نے بھی قرآن سے منہ موڑا واصل جہنم ہوا۔

"کافی" کتاب فضل القرآن میں دوسری روایتیں بھی ہیں جنہیں دقت نظر سے پڑھنا مفید ہوگا ہم نے یہاں چند روایتیں نمونہ کے طور پر نقل کی ہیں۔

اب چند روایتیں نزول قرآن کے سلسلہ میں کہ قرآن کب نازل ہوا اور کس سلسلہ میں نازل ہوا۔ پورا قرآن ایک مرتبہ میں نازل ہوا یا رفتہ رفتہ انشاءاللہ۔۔ اس بحث کو آئندہ ذکر کریں گے۔

تیسرا باب

نزولِ قرآن

قرآن کی شانِ نزول

قرآن کب نازل ہوا؟

اس سلسلہ کی آخری بحث نزولِ قرآن کی بحث ہے کہ قرآن کس وقت نازل ہوا؟

سورۂ "دخان" میں ارشاد ہوتا ہے:-

اِنّا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ انّا کنّا منذرین فیہا یفرق کلّ امرٍ حکیم۔ (دخان ۲ و ۳)

ہم نے قرآن کو مبارک شب میں نازل کیا تاکہ لوگوں کو قیامت کے عذاب سے ڈرائیں۔ اس شب میں ہر با حکمت امر جدا اور مشخص ہوتا ہے۔

سورۂ "قدر" میں اس مبارک شب کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے:-

انّا انزلناہ فی لیلۃ القدر" ۔ ہم نے قرآن کو شب قدر میں نازل کیا۔

اس طرح معلوم ہوا کہ وہ مبارک شب وہی شب قدر ہے۔ سورۂ بقرہ میں بھی شب قدر مشخص کی جاتی ہے کہ وہ ماہ رمضان میں ہے:-

"شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن" (آیت: ۱۸۵)

ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔

قدر کے معنی محاسبہ اور اندازہ گیری کے ہیں، اس بنا پر نزول قرآن کی یہ شب امور کو جدا جدا کرنے اور محاسبہ کرنے کی شب ہے جو ماہ رمضان المبارک میں ہے لہٰذا روایت میں اس ماہ کو "ربیع القرآن" بہار قرآن کا مہینہ کہا گیا ہے اور رمضان المبارک قرآن کے نزول کی بنا پر اہمیت و شرف کا حامل بن گیا ہے، روزہ کی وجہ سے نہیں، کیونکہ قرآن ایسی ہزاروں برکتیں اور حکم اپنے ہمراہ لایا ہے جن میں سے ایک روزہ ہے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بعض آیات اور حدیث و تاریخ کے قطعی دلائل کے مطابق قرآن حضرت رسول اکرمؐ کی رسالت کے تیئیس ۲۳ سال کے عرصہ میں بتدریج اور رفتہ رفتہ نازل ہوا ہے پھر مذکورہ بالا آیتیں رمضان المبارک کی ایک شب میں پورے قرآن کے نزول پر کیسے دلالت کرتی ہیں؟

مثال کے طور پر سورۂ فرقان میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وقال الّذین کفروا لولا نزّل علیه القرآن جملة واحدة کذالك لنثبّت به فؤادك ورتّلناه ترتیلاً (آیت ۔ ۳۲)

کافروں نے کہا قرآن ان (رسولؐ) پر یکبارگی کیوں نہیں نازل ہوا اے رسولؐ ہم نے تمھارے قلب کو آرام بخشنے کے لئے اسے (قرآن کو) ایک روش کے ساتھ اور مشخص و معین ترتیب کے تحت بھیجا اور تم پر تلاوت کی"

تدریجی نزول یا دفعی نزول

اگر ہم "انزلناہ" کی ضمیر بعض آیات کی طرف پلٹائیں اور کہیں کہ قرآن کا کچھ حصہ شب قدر میں نازل ہوا ہے تو اول یہ کہ شب قدر بھی اور دوسرے اوقات کی صف میں شامل ہو جائے گی کہ دوسری آیتیں ان اوقات میں نازل ہوئیں پھر اس شب کے لئے کوئی فضیلت و امتیاز نہیں رہ جاتا۔ دوسرے یہ کہ سورۂ دخان میں پہلے "حٰمٓ والکتاب المبین" آیا ہے اور پورے قرآن کی بات ہے اور یہ ضمیر اس کی طرف پلٹتی ہے۔ نیز یہ بات انّا انزلناہ فی لیلة مبارکة

اور " شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن " کے ظاہری مفہوم سے میل نہیں کھاتی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہاں مراد قرآن کے کچھ حصہ کا نزول ہے جبکہ اکثر و بیشتر قرآن ماہ رمضان کے علاوہ اور دنوں میں نازل ہوا ہے۔ لہٰذا مفسرین نے اس اعتراض کے جواب میں کہا ہے کہ قرآن کا نزول دو طرح سے ہے۔

(۱) تدریجی نزول، جسے تنزیل کہتے ہیں۔

(۲) دفعی اور یکبارگی نزول جسے انزال کہتے ہیں۔

اسی بنا پر جہاں ماہ رمضان میں نزول قرآن کی بات آئی ہے وہاں لفظ "انزال" یا مادۂ انزال کا ذکر ہے مثلاً :

"انا انزلناہ فی لیلۃ القدر" ۔ "انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ"

شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن "

اور جہاں تدریجی نزول کی بات کی گئی ہے وہاں تنزیل کی تعبیر استعمال ہوئی ہے۔ اور ادبی نقطۂ نظر سے انزال و تنزیل ۔ جو باب افعال و تفعیل سے ہیں ۔ کے درمیان یہی دفعی اور تدریجی نزول کا فرق ہے۔

یہاں یہ سوال اٹھتا ہے کہ اگر تمام قرآن شب قدر میں پیغمبر اکرمؐ پر نازل ہوا ہے تو پیغمبر کوئی واقعہ یا نیا مسئلہ پیش آنے کی صورت میں اس سے متعلق حکم یا دستور نازل ہونے تک صبر کیوں فرماتے تھے؟ مثال کے طور پر سورۂ "مجادلہ" میں ارشاد ہے :-

قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجہا وتشتکی الی اللہ واللہ یسمع تحاورکما ان اللہ سمیع بصیر (آیت۔۱)

اے پیغمبرؐ بے شک خداوند عالم نے اس عورت کی بات سنی جو اپنے شوہر کے بارے میں تم سے بحث کر رہی ہے اور اپنی شکایت خدا تک پہنچا رہی ہے، خدا تم دونوں کی باتیں سنتا ہے درحقیقت خدا سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔

اس آیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک میاں بیوی کے درمیان ایک مشکل پیش آتی ہے اور اس کا جواب پیش کیا گیا ہے۔ اسی طرح کے دوسرے موارد مثلاً جنگ و صلح وغیرہ کا اصحاب نے سوال

کرتے تھے اور نیا حکم نازل ہوتا تھا۔ اس سوال کا جواب سورۂ طٰہٰ کی آیت ۱۱۴ میں ہے وہاں ارشاد ہوتا ہے :۔

"ولا تعجل بالقرآن من قبل ان یقضیٰ الیک وحیہ"

اے پیغمبر! وحی تمام ہونے سے پہلے (یعنی جب تک فرشتہ وحی آپ پر وحی کی تلاوت نہ کردے) آپ آیت پڑھنے اور تلاوت کرنے میں جلدی نہ کیجئے۔

یعنی جب تک ہم اسے مرحلہ تکمیل تک نہ پہنچائیں، آپ تلاوت میں جلدی نہ کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ قرآن کی تمام آیتوں کا علم رکھتے تھے اور وہ آپؐ کو حفظ تھیں اور کبھی کبھی وحی تمام ہونے سے پہلے ہی بقیہ آیت کی تلاوت فرمادیتے تھے۔ نیز اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دو بار نازل ہوا ہے ایک نزول دفعی تھا یعنی تمام آیتیں یکجا نازل ہوئیں اور دوسری بار تدریجی نزول جس میں آیتیں مختلف مناسبتوں کے تحت نازل ہوئیں مثلاً سورۂ مجادلہ کی پہلی آیت جسے ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں، لہٰذا مذکورہ آیت جس میں حضرتؐ کو تمام آیت پڑھنے سے روکا گیا ہے یہ اس بات کی بہترین دلیل ہے کہ آنحضرتؐ کو وحی تمام ہونے سے پہلے (اس مخصوص واقعہ کی مناسبت کے سلسلہ میں) پوری آیت کا علم تھا۔

شان نزول

نزول قرآن کی بحث میں ایک دوسری بات جو سامنے آتی ہے شان نزول ہے۔ شان نزول، قرآن کے معانی سمجھنے اور آیات کی تفسیر کرنے کے سلسلہ میں کیا اہمیت رکھتی ہے؟ وہ مورد جو کسی آیت کی شان نزول میں بیان ہوتا ہے کیا اسی آیت سے مخصوص ہے اور اسے کسی دوسرے مورد پر منطبق نہیں کیا جاسکتا یا شان نزول ایک مصداق بیان کرنے کے علاوہ کچھ اور نہیں کرتی اور اس کے ذریعہ آیت کے معنی سمجھنے میں مدد ملتی ہے؟ یا درحقیقت کسی آیت یا سورہ کے سلسلہ میں شان نزول صرف ایک راہ نما کی حیثیت رکھتی ہے ایسا نہیں کہ آیت یا سورہ شان نزول سے مخصوص اور کسی دوسرے مصداق سے مطابقت نہ رکھتا ہو؟ کیا آیت کے یہ معانی اور عنوانات اسی مخصوص مصداق (شان نزول) میں استعمال ہوتے

ہیں یا کلی معانی کے تحت استعمال ہوتے اور اس خاص مورد سے مطابقت رکھتے ہیں ؟

اس سلسلہ میں مرحوم ملا محسن فیض نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا :-

"القرآن نزل اثلاثاً؛ ثلث فینا و فی احبائنا و ثلث فی اعدائنا و عدو من کان قبلنا و ثلث سنۃ و مثل "

قرآن مجید تین حصوں میں نازل ہوا ہے: ایک تہائی ہمارے اور ہمارے دوستوں کے بارے میں، ایک تہائی ہمارے دشمنوں نیز ہم سے پہلے کے انبیاء و اولیاء کے دشمنوں کے بارے میں، اور ایک تہائی احکام اور تمثیل وغیرہ سے متعلق ہے۔

حضرتؑ کی اس تقسیم سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور سے قرآنی مطالب ان ہی تین قسموں پر منقسم ہوتے ہیں، ایک حصہ انبیاء ائمہ اور اولیا کے بارہ میں، ایک حصہ ائمہ کے دشمنوں اور گزشتہ انبیاء و اولیا کے دشمنوں کے بارہ میں اور تیسرا حصہ احکام، الٰہی سنتوں اور امثال و حکم سے متعلق ہے[1]۔

شان نزول کی کوئی مشخص حیثیت نہیں

یہاں اسی روایت کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہیں کہ حضرتؑ نے فرمایا :-

"ولو ان الآیۃ اذا نزلت فی قوم ثم مات اولئک القوم ماتت الآیۃ لما بقی من القرآن شیء"

---

[1] ایک دوسری روایت جو شیخ کلینی نے حضرت امام محمد باقرؑ سے کتاب کافی ج ۲ ص ۶۲۸ پر نقل کی ہے اس میں حضرتؑ فرماتے ہیں کہ: قرآن کے چار حصے ہیں ایک چوتھائی ہمارے بارے میں ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں ایک چوتھائی امثال و واقعات اور داستانیں اور ایک چوتھائی احکام و واجبات اور فرائض ہے بہرحال یہ روایت مذکورہ بالا روایت سے کوئی مخالفت نہیں رکھتی اور دونوں سے ایک ہی مفہوم نکلتا ہے۔

اگر کوئی آیت کسی قوم یا کسی گروہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ قوم ختم ہوگئی لہذا آیت بھی ختم ہو جاتی تو قرآن میں کچھ باقی ہی نہ بچتا ،،

اس بنا پر اگر قرآن کی کوئی آیت گزشتہ اقوام میں سے کسی قوم کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ قوم تباہ اور ختم ہوگئی اور آیت مورد نزول سے مخصوص ہوئی اور آیات کی شان نزول کی حیثیت مشخص و معین کرنے اور محدود کرنے والی ہوئی تو جب وہ قوم صفحۂ ہستی سے مٹی آیت بھی تمام ہو جائے گی اور صرف تلاوت کی حد تک لفظی وجود باقی رہ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ: جو آیت کسی ایک سلسلہ میں نازل ہوئی کسی ایک مورد میں ایک اصل کلی کے مطابق ہے اسی امر سے مخصوص نہیں ہے، پس اگر ایک کلی کی مطابقت کسی ایک مورد سے کریں یا کسی خاص مورد میں ایک حکم کلی صادر ہو تو نزول آیت کا وہ مورد اس اصل کلی کے مصادیق میں سے ایک مصداق ہوگا لہذا نزول آیت کے اس مورد کے برطرف ہو جانے یا ختم ہو جانے سے آیت کے کلی مفہوم میں کوئی تغیر پیدا نہیں ہوتا اور نہ آیت کی حجیت ختم ہوتی ہے کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو قرآن میں کچھ باقی ہی نہ بچے گا اس لئے کہ اس کا زیادہ تر حصّہ ان احکام سے متعلق ہے جو لوگوں کی غرضیں پوری کرتے رہے ہیں اور یہ احکام بدلنے والے نہیں ہیں۔

مثال کے طور پر

کفار کے ساتھ پیغمبر اسلام کی جنگوں میں دو ایسے واقعے پیش آئے: ایک واقعہ ایسے گروہ سے مربوط تھا جنھوں نے وفاداری کا عہد کیا تھا لیکن وہ اپنا عہد توڑ کر میدان سے فرار کر گئے اور دوسرا واقعہ ایسے گروہ سے متعلق ہے جنھوں نے وفاداری کا عہد کیا اپنے عہد و پیمان پر باقی رہے اور اپنا حق ادا کیا یہ دو واقعے ہیں جن سے متعلق سورہ احزاب کی چند آیتیں نازل ہوئی ہیں۔

پہلا واقعہ

«ولقد کانوا عاهدوا الله من قبل لا یولون الادبار و کان عهد الله مسئولا قل لن ینفعکم الفرار ان فررتم من الموت او القتل

اذا لا تمتّعون الّا قليلاً ،، (آیت ۔ ۱۵و۱۶)

بلاشبہ اس گروہ نے پہلے خدا سے عہد و پیمان باندھا کہ میدان جنگ کو ترک کر کے فرار نہ کریں گے اور الٰہی عہد کی ذمہ داری ہوتی ہے (یعنی اگر کسی نے خدا کے ساتھ عہد کیا تو وہ ذمہ دار ہے کہ اس عہد و پیمان کی حفاظت کرے اور اس کا وفادار رہے) آیت کو آگے بڑھاتے ہوئے خدا پیغمبر اسلامؐ سے خطاب کر کے فرماتا ہے: اے پیغمبرؐ جن لوگوں نے فرار کیا اور اپنے عہد کو وفا نہیں کیا ان سے کہئے: اگر تم موت سے فرار کرتے ہو تو اس سے تمھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا کیونکہ جلد یا دیر بہر حال تمھاری موت آکر رہے گی اور پھر تھوڑی سی چند روزہ دنیاوی لذت کے سوا تمھیں کچھ حاصل نہ ہوگا کہہ دیجئے کہ اگر خدا نے تمھارے لیئے بُرا ارادہ کر لیا ہے تو تمھیں کون بچا سکتا ہے یا اگر اس نے تمھارے لیئے رحمت کا ارادہ کیا ہو، وہ (عہد شکن لوگ) خدا سے الگ کسی کو اپنا یار و مددگار نہ پائیں گے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے: جو لوگ سازش کرتے اور اسلام کے خلاف نقشے بناتے تھے نہ خود جنگ میں شرکت کرتے تھے اور نہ اپنے بھائیوں کو شریک ہونے دیتے تھے، وہ اپنے بھائیوں سے کہتے تھے کہ ہماری طرف آجاؤ اور جنگ میں شریک نہ ہو۔ خدا ان لوگوں کو پہچانتا ہے

دوسرا واقعہ

من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ فمنھم من قضٰی نحبہ و منھم من ینتظر و ما بدّلوا تبدیلاً ،، (احزاب۔۲۳)

مومنین میں ایسے جواں مرد بھی ہیں جو خدا سے کیئے ہوئے اپنے عہد و پیمان پر باقی رہے پس ان میں سے بعض نے اپنا حق ادا کیا اور بعض انتظار کر رہے ہیں کہ اپنا عہد پورا کریں، یہ لوگ اپنے عہد سے دست بردار نہیں ہوئے اور اپنا پیمان نہیں توڑا

یہ دوسرا واقعہ ان مومنین سے مربوط ہے جنھوں نے خدا سے عہد کیا اور اس پر جمے رہے میدان جنگ میں شرکت کی اور کارزار سے نہ بھاگے، ان میں سے بعض نے اسلام سے متعلق

اپنا حق ادا کیا اور شہادت کے درجہ پر فائز ہوئے اور بعض اس کے منتظر ہیں کہ ان کی بھی باری آئے تاکہ اپنا حق ادا کریں۔ نہ وہ اپنے عمل پر پشیمان ہوئے جنھوں نے ایفائے عہد کیا اور شہید ہوئے اور نہ یہ لوگ جو شہادت کے منتظر ہیں اپنے انتظار پر پشیمان ہیں۔

سورۂ احزاب کی آیتوں کے یہ دو حصے دو گروہ اور دو واقعات کے بارے میں نازل ہوئے ہیں اور دونوں گروہ تمام ہو چکے ہیں (کچھ شہید ہوئے اور کچھ ہلاک ہو گئے) لیکن ان لوگوں کے جانے کے بعد آیت کا مفہوم و مطلب کبھی ختم نہیں ہوتا اگرچہ مورد تمام ہو گیا لیکن اصل کلی باقی ہے۔ اس بنا پر شان نزول مصداق بیان کرنے کے علاوہ کوئی اور حیثیت نہیں رکھتی؛ نہ یہ تفسیر و تعیین نہ یہ اختصاص کا سبب بنتی ہے۔

منفرد و منحصر مصداقات

لیکن بعض ایسی آیتیں بھی ہیں جن کے مصداق منفرد ہیں یعنی ایک فرد کے علاوہ اس آیت کا کوئی دوسرا مصداق نہیں ہے مثلاً یہ آیت:-

انّما ولیّکم الله ورسولہ والّذین آمنوا الّذین یقیمون الصّلوٰۃ ویؤتون الزّکوٰۃ وھم راکعون (مائدہ - ۵۵)

اگرچہ یہ آیت صیغہ جمع کے ساتھ نازل ہوئی ہے نیز الفاظ کے مادے اور ان کی ہیئتیں اپنے اصل معانی میں استعمال ہوئی ہیں۔ لیکن خارج میں ایک فرد کے علاوہ کوئی اور اس کا مصداق نہیں ہے یعنی وہ شخص جس نے رکوع کی حالت میں فقیر کو صدقہ دیا ہے، اس زمانہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے سوا کوئی اور نہیں تھا۔

بہر حال شان نزول آیت کو تخصیص نہیں دیتی اور آیت کی اصالت اور اس کا دوام، مصداق کے ختم ہونے سے ختم نہیں ہوتا اگرچہ ہر آیت اور سورہ کی شان نزول ان کے مفاہیم و مطالب کو سمجھنے میں مؤثر کردار ادا کرتی ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام اس حدیث کا بقیہ حصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

« ولکنّ القرآن یجری اوّلہ علی آخرہ مادامت

السمٰوات والارض ولکلّ قوم آیة یتلونها هم منها من خیر او شر"[1]

لیکن پورا قرآن ایک حقیقت ہے جو ابتدا سے آخر تک باہم مربوط ہے جب تک کہ نظام وجود باقی ہے اور آسمان و زمین اپنی جگہ پر ہیں اور جو لوگ بھی کسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ یہ آیت ان کے حسب حال ہے۔

اس کے بعد محمد بن مسلم امام محمد باقر علیہ السّلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے فرمایا:

"یا محمد! اذا سمعت اللّٰہ تعالی ذکر احدا من هذہ الامة بخیر فنحن هم واذا سمعت اللّٰہ تعالی ذکر قوما بسوء ممن مضی فهم عدونا

اے محمد بن مسلم! اگر تم نے سنا کہ خداوند عالم نے اس امت میں کسی شخص کو نیکیوں سے یاد کیا ہے تو سمجھ لو کہ اس سے مراد ہم ہیں اور اگر تم نے سنا کہ خداوند عالم نے کسی آیت میں ماضی میں کسی قوم کو بدی کے ساتھ یاد کیا ہے تو جان لو کہ اس سے مراد ہمارے دشمن ہیں۔ یعنی قرآن میں جہاں بھی تمہیں فضیلتوں اور خوبیوں کی بات نظر آئے وہ ہم، ہمارے ہم عقیدہ اور پیرو افراد ہیں اور جہاں بھی کفّار و کج فکر افراد کی توبیخ و سرزنش کی گئی ہے وہ ہمارے دشمنوں اور مخالفوں کے لئے ہے، چاہے وہ اس وقت موجود ہوں یا اس کے بعد مستقبل میں آئیں اصل کلی سب کے شامل حال ہوگی۔ پس قرآن کریم اصول کلیہ پر مبنی ہے اور مصداقات سے اس کی مطابقت اس قانون کلی کی محدودیت کا باعث نہ ہوگی۔

---

[1] یہ روایت ـــــ عیاشی نے بھی اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔

قرآن اور جلائے قلب

ہم عرض کر چکے ہیں کہ قرآن کلی اصول کا حامل ہے اور مصداقات پر ان اصولوں کی تطبیق ان کی محدودیت کا سبب نہیں ہوگی، ان اصول کلیہ کی پہلی اصل آیات کی شان نزول کے بارہ میں تھی جس کی وضاحت ہم کر چکے ہیں دوسری اصل یہ ہے کہ وہ آیتیں جن کا ظاہر رسول اکرمؐ کی توبیخ اور ان پر عتاب ہے کیا اس سے مراد خود پیغمبر اکرمؐ کی ذات گرامی ہے یا یہ کہ پیغمبرؐ کو اس طرح خطاب کیا جا رہا ہے تاکہ وہ امت کو بیدار کرے یعنی یہ توبیخ حضرتؐ کے بجائے دوسرے کے لئے ہے،؟

در سے کہتا ہوں تاکہ دیوار سنے :

شیخ کلینیؒ حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے ایک روایت میں فرمایا ہے: "نزل القرآن بایاک اعنی واسمعی یا جارہ"[1] یعنی قرآن اس انداز میں نازل ہوا ہے کہ "میں تم سے کہتا ہوں تاکہ پڑوسی سنے"، وہی مشہور مثل کہ فارسی میں بھی کہتے ہیں "بہ در می گویم، دیوار گوش کن"، مثال کے طور پر خداوند عالم سورۂ انعام میں پیغمبر اکرمؐ

---

[1] ۔ کافی ج ۲ ص ۶۳۱

کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے :

واذا رأیت الّذین یخوضون فی آیاتنا فاعرض عنہم حتّیٰ یخوضوا فی
حدیث غیرہ واِمّا ینسینّک الشّیطان فلا تقعد
بعد الذّکریٰ مع القوم الظّالمین ،، (انعام / آیت ۶۸)

اے پیغمبر اگر تم نے دیکھا کچھ لوگ ہماری آیات میں مین میخ نکالتے ہیں طعن کرتے ہیں
تو تم ان سے دوری اختیار کرو یہاں تک کہ وہ اس بات سے ہٹ کر دوسری بات پر
آجائیں اور اگر شیطان تمہیں (اس حکم سے) غافل کر دے تو یاد آنے کے بعد
ظالم و ستمگار لوگوں کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو ،،

اس آیت میں جیسا کہ آپ ملاحظ فرما رہے ہیں ، خطاب رسول اکرمؐ سے ہے کہ خدا
انھیں قرآن کا مضحکہ اڑانے والوں کے ساتھ بیٹھنے سے منع کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ ایسے لوگوں
کی بزم میں شریک نہ ہو ، لیکن سورہ نساء میں فرماتا ہے :

وقد نزّل علیکم فی الکتاب ان اذا سمعتم آیات اللّٰہ
یکفر بہا ویستہزء بہا فلا تقعدوا معہم حتّیٰ یخوضوا فی
حدیث غیرہ انّکم اذا مثلہم انّ اللّٰہ جامع المنافقین والکافرین
فی جہنّم جمیعاً ،، (نساء / آیت ۱۴۰)

بلا شبہ (اے مومنو!) تم پر قرآن میں حکم الٰہی نازل ہو چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللّٰہ
کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے ان کا مزاق اڑایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو یہاں تک کہ
یہ لوگ قرآن کا مضحکہ اڑانے کے بجائے دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں (اگر تم نے
قرآن کا مضحکہ اڑاتے وقت ان کی ہمنشینی اختیار کی تو) تم بھی درحقیقت ان ہی کے مانند
ہو جاؤ گے اور خداوند عالم تمام منافقوں اور کافروں کو جہنم میں اکٹھا کرے گا ،

یہاں قرآن مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے : کہ میں نے پہلے بھی تمہیں یاد دہانی
کرائی ہے کہ ایسے منافقوں کی بزم میں نہ بیٹھو جو قرآن کا مزاق اڑاتے ہیں ، یہاں تک کہ وہ لوگ
اس بری حرکت سے دست بردار ہو جائیں جبکہ قرآن نے کسی بھی آیت میں لوگوں سے یہ خطاب

نہیں فرمایا ہے کہ منافقوں کے ساتھ نہ بیٹھیں اور ان کی بزم میں شریک نہ ہوں پھر اس آیت میں یہ کیوں فرماتا ہے کہ شیطان تمھیں پہلے یاد دہانی کرادی جبکہ سورۂ انعام میں اس سلسلہ میں صرف پیغمبر اکرمؐ کو خطاب فرمایا ہے ؟ ۔

یہیں سے ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ سورۂ انعام میں بھی خود پیغمبر اکرمؐ سے خطاب "ایاک اعنی واسمعی یاجارہ" کی نوعیت کا ہے اور اگرچہ یہ خطاب پیغمبر سے ہو لیکن اس سے مراد عوام اور امت ہیں اور مزید یہ کہ وہ معصوم و مطہر پیغمبرؐ کبھی بھی شیطانی وسوسہ کا شکار نہیں ہوسکتا، وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی" وہ (پیغمبر) اپنی خواہش سے نہیں بولتا جب تک اس پر وحی نہ نازل ہو، نجم/آیت ۳-۴

شیخ کلینیؒ امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے "نزل القرآن بایاک اعنی واسمعی یاجارہ" کے بارہ میں فرمایا:

"معناہ ما عاتب اللہ عزّ وجلّ بہ علی نبیہ فھو یعنی بہ ما قد مضی فی القرآن مثل قولہ: ولولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم شیئاً قلیلاً عنی بذلک غیرہ[۱]"

یعنی مذکورہ بالا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ خداوند عالم نے پیغمبر اکرمؐ سے بعنوان عتاب فرمایا ہے اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں مثلاً خداوند عالم کا قول کہ: اگر ہم نے تمھیں محکم و استوار نہ رکھا ہوتا تو نزدیک تھا کہ ان لوگوں کی طرح تم بھی کج ہوگئے ہوتے (سورۂ اسراء آیت ۷۴) اور اس کلام سے اس نے پیغمبر کے علاوہ دوسرے کو مراد لیا ہے ۔

پس توبیخ و سرزنش والی آیتیں جن میں حضرتؐ کو خطاب کیا گیا ہے "وہ" ایاک اعنی واسمعی یاجارہ"، کے عنوان سے نازل ہوئی ہیں اور ان سے مراد امت کے غلط اور گمراہ افراد ہیں ۔

خصوصی خطاب

لیکن جہاں خطاب پیغمبر اسلامؐ کی ذات سے کیا گیا ہے وہاں خصوصیت کھلا متیں آیت میں

[۱] ۔ کافی ج ۲ ص ۶۳۱

ذکر کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر خداوند عالم سورۂ اسرا میں ارشاد فرماتا ہے :

"اقم الصّلوٰۃ لدلوک الشّمس الیٰ غسق اللّیل و القرآن الفجر، انّ قرآن الفجر کان مشھوداً و من اللّیل فتھجّد بہ نافلۃ لک عسیٰ ان یبعثک ربّک مقاماً محموداً"۔ (اسرا آیت ۷۸-۷۹)

"نماز قائم کرو، زوال آفتاب سے شب کی تاریکی شروع ہونے تک اور نماز صبح بھی قائم کرو کہ وہ مشہود ہے اور شب کا کچھ حصہ تہجّد و نافلہ میں بسر کرو، شاید تمہارا خدا تمھیں مقام محمود پر مبعوث فرمائے"

وہ نمازیں جو زوال آفتاب اور آغاز شب کے درمیان آتی ہیں ظہر و عصر اور مغرب و عشا ہیں تو قرآن الفجر صبح کی نماز ہے کہ یہ تمام پانچ نمازیں تمام مسلمانوں پر واجب ہیں اور اس میں پیغمبر اکرمؐ کو کوئی خصوصیت نہیں ہے اگرچہ اس کا خطاب پیغمبرؐ سے ہے لیکن چھٹی نماز یعنی نافلۂ شب آنحضرتؐ سے مخصوص ہے اور دیگر افراد پر واجب نہیں بلکہ مستحب ہے۔

یہ خصوصیت آیت کے دو الفاظ "لک" اور "یبعثک" سے سمجھ میں آتی ہے اور اگر ان پانچ نمازوں کی طرح بظاہر صرف پیغمبر اکرمؐ سے خطاب نہ ہوتا بلکہ تمام مکلّفین اس میں شامل ہوتے تو صرف لفظ "فتھجّد" میں موجود خطاب ہی کافی ہوتا جیسے پنجگانہ نمازوں میں "اقم" کے خطاب پر ہی اکتفا کی گئی ہے۔ آیت میں نماز شب لفظ "نافلہ" سے تعبیر کی گئی ہے اور نافلہ کے معنی ہیں زیادہ اور اضافی جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے بارہ میں ارشاد ہوتا ہے۔ ووھبنا لہ اسحاق و یعقوب نافلۃ (انبیاء آیت ۷۲) ہم نے ابراہیم کو اسحاق عطا کیا اور ان پر یعقوب کا اضافہ کیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے خداوند عالم سے صرف ایک فرزند کی درخواست کی تھی۔ خداوند عالم نے انھیں اسحاق جیسا بیٹا عطا کیا اور اسحاقؑ سے یعقوبؑ نام کا فرزند پیدا ہوا۔ اس بنا پر یعقوبؑ ابراہیمؑ کے پوتے ہیں اور چونکہ حضرت کی درخواست اور دعا سے زیادہ تھے لہٰذا انھیں "نافلہ" کی تعبیر سے یاد کیا گیا ہے۔

نماز نافلہ بھی چونکہ پنجگانہ نمازوں سے جو سب پر واجب ہیں۔ یہ اضافہ کی حیثیت رکھتی ہے لہٰذا اسے بھی "نافلہ" سے تعبیر کیا گیا۔ "مقام محمود" یعنی مطلق و کامل مرتبہ و مقام کہ تمام تعریفیں

آپؐ کے وجود کی برکت سے دوسروں تک پہنچیں اور آپؐ کے فیض سے تمام انسان ان نعمتوں سے بہرہ مند ہوئے خداوند عالم نماز شب کی برکتوں سے آپؐ کو مقام محمود تک پہنچا تا ہے تاکہ تمام موجودات آپؐ کی ثنا کریں

قرآن کا عربی ہونا

ایک اور مطلب جس پر گفتگو ضروری ہے قرآن کے "عربی ہونے" کا مسئلہ ہے خداوند عالم سورہ شعراء میں پیغمبر اکرمؐ سے ارشاد فرماتا ہے: نزل به الروح الامین علیٰ قلبك لتكون من المنذرين بلسان عربي مبين، (شعراء آیت ۱۹۵) جبرئیل امین نے اسے تمہارے قلب پر نازل کیا تاکہ لوگوں کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ۔

امام محمد باقر یا امام صادق علیہما السلام سے دریافت کیا گیا کہ "لسان عربی مبین" کا مطلب کیا ہے؟ امامؑ نے فرمایا "يبيّن الالسن ولا تبينه الالسن"، عربی زبان تمام زبانوں کی وضاحت کرنے والی ہے لیکن دوسری زبانیں اس زبان کے مطالب کی رسا طور پر وضاحت کرنے سے قاصر ہیں۔ عربی زبان اس قدر غنی اور قوی ہے کہ بڑے بڑے لطیف اور دقیق معانی و مطالب کو بسیط الفاظ کے جامہ میں بیان کر سکتی ہے لیکن تمام زبانیں اگر مطالب اور لطیف مفاہیم بیان کرنا چاہیں تو انھیں چند جملوں میں بیان کریں گی اور اس صورت میں زبان کا لطف خاص جاتا رہے گا مجموعی طور پر دنیا کی تمام موجودہ زبانیں اس جہت میں برابر نہیں ہیں۔ بعض زبانیں ضعیف و ناتواں ہیں اور اس کا بولنے والے زبان کے تمام مفردات کے ذریعہ بھی اپنے پورے مطالب بیان نہیں کر سکتا اور مثلاً بیس لفظوں کے استعمال کے بعد وہ ایک بات سمجھا پائے گا، لیکن عربی زبان سب سے زیادہ غنی زبان ہے اور ایک ایک کلمات و الفاظ کے ذریعہ بہت سے معانی و مطالب کی وضاحت پر قادر ہے اور یہ عربی الفاظ کی وسعت و جامعیّت کی نشانی ہے۔

قرآن کے مراحل

اس کے باوجود یہ زبان "عربی مبین" بھی ان بلند معانی و مطالب کو جو خدا کے پاس ہیں بیان نہیں کر سکتی اسی بنا پر ہم نے عرض کیا کہ قرآن کے دو مرحلے ہیں:

۱۔ مرحلۂ علو جو امّ الکتاب میں خدا کے نزدیک ہے "وانّه فی امّ الكتاب لدينا لعليّ

حکیم ،، (زخرف/آیت ۴) یعنی بلا شبہ یہ قرآن ہمارے پاس ام الکتاب " لوح محفوظ " میں بلند اور حکمت آمیز ہے

۲۔ مرحلۂ نزول جیسا کہ پہلے عرض کر چکے ہیں نزول کے بھی دو مرحلے ہیں نزول کا دفعی مرحلہ کہ خداوند عالم نے جہاں لفظ " انزال " استعمال کیا ہے اس سے مراد یہی مرحلہ ہے مثلاً " انا انزلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون (یوسف/آیت ۲) ہم نے قرآن عربی زبان میں نازل کیا تاکہ شاید تم اسے درک کرو۔ اور دوسرا مرحلہ تدریجی نزول کا ہے جب اوپر بیان شدہ سورۂ شعراء کے اندر قرآن کے بزبان عربی مبین میں نزول کو ذکر کیا گیا ہے

انزال و تنزیل کی اصطلاح جو قرآن کے بارہ میں متعدد آیات میں آئی ہے عربی لغت میں یہ نزول " تجافی ،، (چھوڑ دینے یا دوری اختیار کرنے) کی صورت میں استعمال ہوتا ہے جیسے بارش کا نزول کہ جب بارش کا ایک قطرہ بادل سے نیچے آیا تو اب ایسا نہیں ہے کہ وہ قطرہ اب بھی بادل میں موجود نہ ہو۔ اور تنزیل کے معنی میں بھی آیا ہے قرآن کے انزال و تنزیل سے مراد یہی دوسرے معنی ہیں یعنی قرآن نے اپنے اس بلند مرحلہ سے جو خدا کے نزدیک ہے اس مرحلہ تک نزول کیا ہے کہ انسانی فہم سے نزدیک اور اس کے لئے قابل درک ہو گیا ہے ساتھ ہی وہ خدا کے نزدیک اپنے بلند مرحلہ پر باقی بھی ہے اور ایسا نہیں ہے کہ نازل ہونے کے بعد وہ اپنے پہلے والے بلند مرحلہ سے نیچے آ گیا اور اب اس کی جگہ خالی ہو گئی ہے

جب ایک دانشور کوئی علمی بات عمومی درک و فہم تک نیچے لا کر سادے اسلوب میں بیان کرتا ہے تو ایسا نہیں ہے کہ اس عمل سے وہ علمی بات اپنے خاص علمی مطلب کو کھو چکی ہے قرآن کا نزول بھی اسی نوعیت کا ہے : وہ اپنے بلند مرحلہ میں " ام الکتاب " کے اندر باقی بھی ہے اور انسانوں کی فہم و ادراک کی سطح پر بیان بھی ہوا ہے ۔ اس کے لئے ایسی بات نہیں کہ اگر کوئی کتاب کسی کتب خانہ کی اونچی الماری سے نیچے لائی جائے تو گویا اب کتاب اس اونچی جگہ پر نہیں ہے ، یہی وجہ ہے کہ قرآن فرماتا ہے : ماعندکم ینفد وما عند اللہ باق ، (نحل/آیت ۹۶) جو کچھ تمھارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو کچھ خدا کے پاس ہے باقی رہنے والا ہے جیسا کہ سورۂ زخرف میں آیا ہے " عند اللہ " ام الکتاب ،، میں بھی ہے اور اسی بنا پر اسے " حبل اللہ " سے بھی تعبیر کیا گیا ہے کہ اس حبل اللہ کا ایک حصہ اللہ کے نزدیک ہے اور دوسرا حصہ زمین پر ہے اور انسان اس سے تمسک اختیار کر کے کمال اور بلندی حاصل کرتا ہے اور جو لوگ قرآن سے تمسک اختیار کر کے کمال کے بلند ترین درجوں پر پہنچے وہ علم لدنی کے مالک قرار پائے ۔

قرآنی علوم

اب ہم ایک دوسرے مطلب کی طرف آتے ہیں اور وہ یہ کہ قرآن ہمیں کن علوم کی تعلیم دیتا ہے؟ اگرچہ ہر علم اپنی جگہ پر فضیلت رکھتا ہے لیکن بہترین علم وہ ہے جو انسان کا ابدی زاد راہ قرار پائے۔ انسان پیدائش کے بعد مر نہیں جاتا بلکہ ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے اور وہ بہترین علم جو اس مسافر کا توشہ اور زاد راہ بن سکتا ہے، اصول دین، آغاز خلقت، رسالت اور قیامت کا علم جسے ایک لفظ میں سمیٹ کر "علم توحید" کہا جاتا ہے، کیونکہ یہ سب (یعنی مبدأ، ومعاد، وحی و رسالت وغیرہ) کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم ان الٰہی معارف کی تعلیم کو انبیاء کرام کی رسالت اور فرائض میں شمار کرتا ہے: ویعلمھم الکتاب والحکمۃ (سورۂ جمعہ، آیت ۲) وہ ہے جس نے انبیاء کرام کو امیوں میں سے مبعوث فرمایا تاکہ...... ان لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیں۔ قرآن جن علوم و معارف کی تعلیم دیتا ہے انھیں اس آیت کریمہ میں "کتاب وحکمت" کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ سورۂ محمدؐ میں ارشاد ہوتا ہے:

فاعلم انہ لا الٰہ الا اللّٰہ واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنات واللّٰہ یعلم متقلبکم ومثواکم (آیت ۱۹)

"جان لو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور اللہ نہیں اور اپنے نیز مومنین ومومنات کے لئے مغفرت و بخشش طلب کرو، خداوند عالم تمھارے دنیا و آخرت کے انتقال کی منزلوں سے آگاہ ہے۔"

مذکورہ آیت میں خداوند عالم نے معارف کے ایک حصہ کی تعلیم دی ہے۔ مرحوم ملا محسن فیض اس آیت کے ذیل میں پیغمبر اکرمؐ کی ایک حدیث نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

الاستغفار وقول لا الٰہ الا اللّٰہ خیر العبادۃ"

"استغفار کرنا اور کلمہ توحید کا ذکر بہترین عبادت ہے۔"

لیکن بعض روایات میں یوں آیا ہے کہ: "خیر العلم التوحید وخیر العبادۃ

الاستغفار،، یعنی بہترین علم توحید کا علم ہے اور بہترین عبادت استغفار ہے۔

پس وہ بہترین علم جسے حاصل کرنے پر رسول خداؐ مامور کئے گئے ہیں، علم توحید ہے شیخ طوسیؒ تفسیر تبیان میں اس آیت کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ علم توحید بدیہی نہیں بلکہ اکتسابی ہے ورنہ اسے امر کی شکل میں پیش نہ کیا جاتا۔ فاعلم انہ لا الٰہ الا اللہ،،

لیکن یہ استدلال بظاہر کامل نہیں ہے کیونکہ فاعلم" صرف علم نظری کے لئے استعمال نہیں ہوتا بلکہ بدیہی علم کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اسی وجہ سے آیت مذکورہ کے ذیل میں بیان ہونے والی بعض روایات میں اسے "خیر العبادہ" سے تعبیر و تفسیر کیا گیا ہے اس لئے یہاں "فاعلم" "فاعتبر" کے معنی میں ہے، کیونکہ اصول دین کے باب میں اس پر ایمان لانا اہم ہے نہ کہ اس کا علم حاصل کرنا۔ ممکن ہے ایک شخص کے لئے توحید قطعی اور یقینی ہو لیکن وہ اپنے بغض و عناد کی وجہ سے اس پر ایمان نہ رکھتا ہو۔ قرآن ایسے افراد کے بارے میں فرماتا ہے:... وجحدوا بہا واستیقنتہا انفسہم...[1]،، انھوں نے (الٰہی معجزہ) کا یقین کرنے کے بعد بھی اس کا انکار کیا۔

البتہ یہ وہی علم ہے جس کے بارہ میں نہج البلاغہ میں آیا ہے" ربّ عالم قد قتلہ جہلہ وعلمہ معہ لاینفعہ،، کچھ عالم ایسے ہیں جن کے علم نے انھیں مار ڈالا اور ان کے علم نے انھیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا، اس طرح کا علم درحقیقت جہل ہے۔ لہٰذا کہا گیا ہے کہ: ایمان، قلب کے ذریعہ اعتراف و اعتقاد، زبان کے ذریعہ اقرار اور اعضاء و جوارح کے ذریعہ عمل کا نام ہے، صرف علم و آگاہی ایمان نہیں ہے، بلکہ عالم ہونا مومن ہونے کا مقدمہ ہے۔ دریا کا وجود نظری نہیں بلکہ بدیہی ہے، لیکن جو شخص دریا کے کنارے ہے اگر ہوشیار نہ رہے تو ممکن ہے کہ دریا میں گر پڑے اور ڈوب جائے لہٰذا اسے آگاہ کرنا چاہئے کہ ہوشیار رہے کہ دریا کے کنارے کھڑا ہے۔ یہاں بھی "فاعلم" ایک ٹھوکا ہے۔ اس کے علاوہ ضروری نہیں ہے کہ جس چیز کا حکم دیا جا رہا ہے، ہمیشہ بدیہی نہ ہو۔

---

[1] سورہ نمل / ۱۴

انبیائے کرام اور دلوں کی صفائی

اس بنا بر مبداء و معاد کا علم بدیہی علم ہے لیکن کبھی اس پر غفلت کے پردے پڑے رہتے ہیں ایسے ہی موقعوں پر انبیائے کرام آتے ہیں اور یہ پردے اٹھا دیتے ہیں لہٰذا خداوند عالم قرآن کریم میں رسول اکرمؐ سے ارشاد فرماتا ہے: **فذکر انما انت مذکر** ،، لوگوں کو آگاہ کیجئے اور یاد دلا یئے آپؐ صرف یاد دلانے والے ہیں۔ ضمنی طور پر اس آیت کریمہ سے "**ویعلمہم الکتاب والحکمۃ** ،، کے معنی بھی واضح ہوتے ہیں کہ تعلیم سے مراد وہی یاد آوری اور عہد کا ہے جن چیزوں کو لوگ جانتے تھے اور جو لوگوں پر واضح تھیں لیکن بعض وجوہ کی بنا پر ان سے غافل ہو گئے تھے پیغمبر ان کی یاد دہانی کراتے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی کو زمین کی گہرائیوں سے پانی نکالنے کا طریقہ سکھلایا جائے۔ یہ تعلیم ہے، لیکن کبھی دریا کے کنارے کھڑے ہوئے شخص کو توجہ دلائی جاتی ہے، دریا! دریا! تاکہ وہ دریا میں گر نہ پڑے۔ یہاں صرف یاد دہانی ہے تعلیم نہیں کیوں کہ وہ خود جانتا ہے کہ وہاں دریا ہے، اس کے باوجود غافل ہے، اسے ہوشیار کرنا چاہیئے تاکہ دریا میں گر نہ پڑے۔

توحید، انسان کی سرشت و طینت میں ایک فطری امر ہے۔ انبیاء کرام توحید کے معلم نہیں ہیں بلکہ انھیں اس فطری امر کے یاد دلانے والے ہیں جن کی فطرت پر غفلت کا پردہ پڑ گیا ہے۔ قرآن کریم ایسے افراد کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے: **بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون**،، (مطففین/آیت ۱۴) بلکہ ان کے دلوں پر ان کے بُرے اعمال کا زنگ بیٹھ گیا ہے۔

لہٰذا خداوند عالم نے اپنے بعض احکام کو طہارت کے عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ انسان کو ہر نماز میں طہارت کرنا چاہیئے۔ اگر وضو یا غسل کے لئے اس کے پاس پانی نہ ہو تو پانی کے بدلے خاک سے طہارت حاصل کرے: **فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیباً** ،، (مائدہ/آیت ۶) اگر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمم کرو۔ اس کے بعد اسی آیت کے آگے فرماتا ہے: "**لیطہرکم**،، یعنی حکم اس لئے ہے کہ خداوند عالم تمھیں پاک کر دے یہاں وضو کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ تیمم کا مسئلہ درپیش ہے۔ چہرہ اور ہاتھوں پر خاک ملنا ظاہری طور

پر پاکی وطہارت کا سبب نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ ظاہری طہارت کے علاوہ ایک دوسری طہارت کا ذکر بھی قرآن میں ہے وہ ہے انسانی فطرت و روح کی طہارت اور یہ طہارت ایک طرح سے باطن کا میل صاف کرنا اور دل کی صفائی ہے وحی کا حاصل بھی یہی باطن کی صفائی ہے۔

قرآن کریم کی وہ تمام آیتیں جن کی زبان یاد دہانی اور عہد و میثاق وغیرہ کی زبان ہے، اس بات کی تائید کرتی ہیں۔ تعلیم کے عمومی معنی میں تذکر و یاد دہانی بھی شامل ہے اسی لئے گزشتہ دو آیتوں میں "فیعلمہم" اور "فاعلم" اسی معنی میں تھے۔ اسی بنا پر ہم نہ صرف مبداء و معاد اور وحی وغیرہ کے لئے فطری دلیل رکھتے ہیں بلکہ برہانی دلیلیں بھی اسی فطری دلیل کی طرف پلٹتی ہیں وہ خود مستقل دلیلیں نہیں ہیں۔ قرآن کریم بھی جو اکثر غور و فکر، تفکر و تدبر کا حکم دیتا ہے یہ سب آگاہی اُنھو کا ہے کہ دل آگاہ ہو اور دیکھے نہ کان اور آنکھ کیونکہ جو کچھ انسان دیکھنے اور سننے سے حاصل کرتا ہے علم ہے، لیکن جن چیزوں کو وہ پہلے سے جانتا تھا فقط انھیں یاد دلایا گیا ہے علم اور سیکھنے والی چیز نہیں ہے۔ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے: واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لاتعلمون شیئاً (نحل/آیت ۸۷) خداوند عالم تمھیں تمھاری ماؤوں کے رحموں سے اس حالت میں دنیا میں لایا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

سورہ سجدہ میں ارشاد ہوتا ہے: "وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ" (سجدہ/۹) اور اس نے تمہارے لئے کان، آنکھ اور دل قرار دیئے۔ انسان ابتدا میں جبکہ وہ پیدا ہوتا ہے ہر چیز سے بے خبر ہوتا ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ آنکھوں اور کان کے ذریعہ بعض چیزوں کو دیکھتا سنتا اور عقل کے ذریعہ احساس کرتا ہے اس طرح وہ رفتہ رفتہ صاحب علم ہوتا جاتا ہے اور جو حالات اس کے اردگرد گزرتے جاتے ہیں ان سے باخبر ہوتا جاتا ہے۔

آسمانی کتابوں اور حکمت و فلسفہ کی کتابوں کا فرق

آسمانی کتابوں اور فلسفہ کی کتابوں کا فرق یہ ہے کہ آسمانی کتابیں ہدایت ہیں اور دل سے سروکار رکھتی ہیں اور انسان کو اس کے باطن سے مخاطب کرتی ہیں لیکن فلسفہ کی کتابیں کان اور آنکھ کے ذریعہ تعلیم دیتی ہیں۔ آسمانی کتابیں شہر کے اندر سے انسان سے ہم کلام ہوتی ہیں اور فلسفہ کی کتابیں دروازۂ شہر کے

باہر سے۔ قرآن کریم جب استدلال کرتا ہے تو آیات کے آخر میں اکثر کہتا ہے " افلا تعقلون" کیا تم اپنی عقل کو کام میں نہیں لاتے ؟ کبھی کہتا ہے " افلا تذکرون " کیا تمھیں یاد نہیں آتا ؟ ان خطابات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ توحید ایک فطری مسئلہ ہے کہ خداوند عالم اس کی علامتیں اور نشانیاں بیان کرنے کے بعد انسان کو دعوت دیتا ہے کہ غور و فکر سے کام لے تاکہ اسے یاد آجائے

سورۂ نحل میں تیسری آیت کے بعد بہت سے مسائل اور فطری موجودات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے لیکن وہ مجموعی طور پر ایک استدلال ہے "خلق السمٰوات والارض بالحق تعالٰی عما یشرکون" (نحل / آیت ۳) خداوند عالم نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کی بنیاد پر خلق فرمایا اور وہ ان چیزوں سے منزہ ہے جن کا مشرکین اسے شریک قرار دیتے ہیں۔ ادبی نقطۂ نگاہ سے " بالحق " کا باء ملابست کے لئے ہے یعنی اس نے دنیا کو حق کے لباس میں خلق فرمایا ہے اور یہ لباس تمام دنیا کو اس طرح چھپائے اور احاطہ کئے ہوئے ہے کہ اس میں باطل کے لئے گنجائش نہیں ہے:

" وما خلقنا السماء والارض وما بینهما باطلاً، ذالک ظن الذین کفروا فویل للذین کفروا من النار (سورۂ ص / آیت ۲۷)

ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بیہودہ اور باطل پیدا نہیں کیا۔ یہ کافروں کا گمان ہے پس وائے ہو کافروں پر جہنم کی آگ سے۔

جو چیز بھی کسی مشخص مقصد کے تحت وجود میں آئی ہو باطل نہیں ہو سکتی خداوند عالم سورہ نحل کی بعد کی آیتوں میں بعض موجودات کی خلقت کا مقصد یوں بیان فرماتا ہے:

«وَالْأَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ. وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ. وَتَحْمِلُ أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا بِشِقِّ الْأَنْفُسِ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ. وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ» آیت / ۵ تا ۸

اور چوپایوں کو تمھارے لئے پیدا کیا تاکہ ان کی کھالوں اور بالوں کے ذریعہ اپنے کو سردی و گرمی سے محفوظ رکھو اپنی سردی دور کرو اور ان میں سے تم بعض جانوروں کا دودھ اور گوشت کھاتے ہو ان میں تمھارے لئے شان و شوکت ہے جب تم انھیں چرانے کے لئے

لے جاتے ہو یا واپس لاتے ہو اور وہ تمہارے وزنی بوجھ کو جنھیں تم زحمتوں کے بعد بھی اٹھا نہیں سکتے، ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں، بلاشبہ تمہارا خداوند عالم بڑا شفیق و مہربان ہے۔ اسی نے گھوڑوں، خچروں اور گدھوں کو تمہاری سواری اور تمہاری زینت کے لئے پیدا کیا۔ ان کے علاوہ اور چیزیں بھی پیدا کرے گا جن سے تم ابھی آگاہ نہیں ہو۔

اس سورہ میں وہ آیتیں جو موجودات کی خلقت اور ان کی مقصد کو بیان کرتی ہیں ان کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ہم گیارہویں، بارہویں اور تیرہویں آیتوں کے آخر میں یہ تین جملے دیکھتے ہیں: "انّ فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون"، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ "انّ فی ذالک لآیات لقوم یعقلون"، بلاشبہ اس میں سمجھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ "انّ فی ذالک لآیۃ لقوم یذکرون"، بلاشبہ اس میں ہوشیار و آگاہ افراد کے لئے نشانی ہے۔ یہاں تفکّر و تعقل، تذکر و آگاہی اور یاد دہانی کے دائرے میں ہے۔ یعنی لوگ ان نشانیوں او موجودات کی خلقت پر توجہ کرتے ہوئے غور و فکر کرتے ہیں اور اپنی عقلوں کو کام میں لاتے ہیں اور آگاہ ہوتے ہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ کچھ نہیں جانتے اور آگاہ ہوتے ہیں، بلکہ وہ اور چیزوں کو اپنے ذہن میں لاتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں پہلے جانتے تھے لیکن فراموش کر چکے ہیں لہٰذا خداوند عالم فرماتا ہے: "ان ھو الاّ ذکر و قرآن مبین" (یٰس /۶۹) یہ نہیں فرماتا: ان ھو الاّ تعلیم! قرآن یاد دلانے والا ہے تعلیم دینے والا نہیں پیغمبر بھی معلم نہیں ہیں، اور اگر قرآن میں آیا ہے "ویعلّمھم الکتاب والحکمۃ"، (وہ لوگوں کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں) تو آیت کریمہ "ان انت الاّ مذکّر" (آپ صرف یاد دلانے اور آگاہ کرنے والے ہیں) اس کی وضاحت کرتی ہے ایسا نہیں کہ انسان جاہل و غافل پیدا کیا گیا ہو اور اسے مسئلہ مبدأ و معاد کی تعلیم نہ دی گئی ہو تاکہ اس پر اعتقاد پیدا کرے۔ بلکہ انسان فطرتاً خدا شناس ہے لیکن کبھی غلط رسم و رواج کے پردے اس کی فطرت کو چھپا دیتے ہیں اور انسان کو خدا سے منحرف کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبر اور قرآن اسے یاد دہانی کراتے ہیں اور اس کی فطرت کو بیدار کرتے ہیں۔